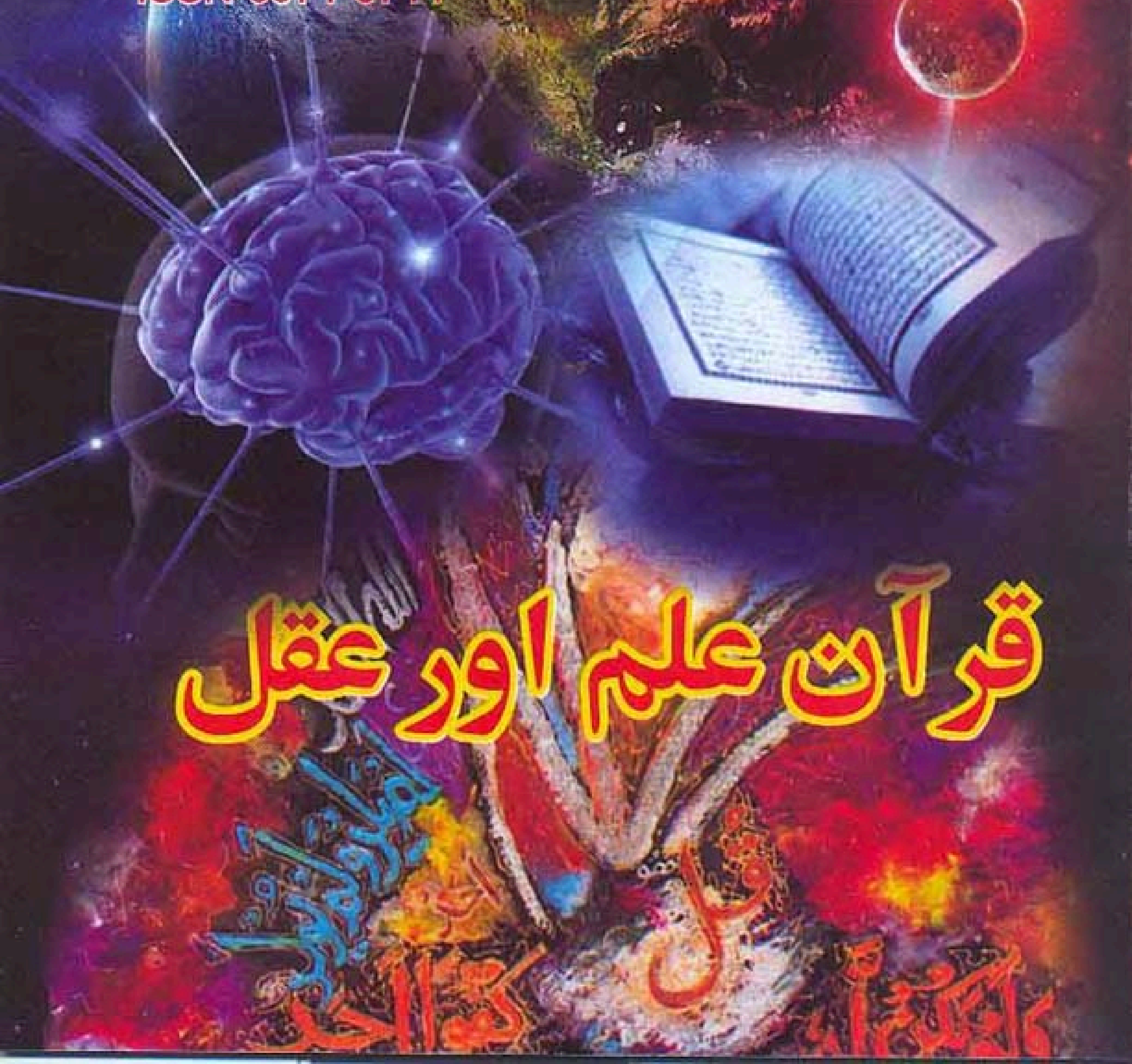
فروری 2013
₹25
اردو ماہنامہ

سائنس

نئی دہلی
229
ISSN-0971-5711



قرآن علم اور عقل

اردو ماہنامہ

سائنس

نئی دہلی

229

ہندوستان کا پہلا سائنسی اور معلوماتی ماہنامہ

اسلامی فاؤنڈیشن برائے سائنس و ماحولیات نیز

انجمن فروغ سائنس کے نظریات کا ترجمان

جلد نمبر (20) فروری 2013 شمارہ نمبر (02)

قیمت فی شمارہ =/25 روپے

10 ریال (سعودی)
10 درہم (یو۔اے۔ای)
3 ڈالر (امریکی)
1.5 پاؤنڈ

زرسالانہ :
250 روپے (سادہ ڈاک سے)
500 روپے (بذریعہ رجسٹری)

برائے غیر ممالک
(ہوائی ڈاک سے)
100 ریال/درہم
30 ڈالر (امریکی)
15 پاؤنڈ

اعانت تاعمر
5000 روپے
1300 ریال/درہم
400 ڈالر (امریکی)
200 پاؤنڈ

Phone : 93127-07788
Fax : (0091-11)23215906
E-mail : maparvaiz@googlemail.com
خط وکتابت: (26) 153 ذاکر نگر ویسٹ، نئی دہلی۔110025

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا زرسالانہ ختم ہوگیا ہے۔

☆ سرورق : محمد جاوید
☆ کمپوزنگ : فرح ناز

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

20 جنوری کو نئی دہلی میں ماتا سندری لین پر واقع ایوانِ غالب کے آڈیٹوریم میں ’’قرآن میں علم و عقل کا تصور‘‘ کے عنوان کے تحت دوسری ’’قرآن کانفرنس‘‘ کا انعقاد ہوا۔ ’’عاشقانِ قرآن‘‘ کے باہم تعاون سے اس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ صبح 10 بجے سے نماز مغرب تک چلنے والی اس کانفرنس کی صدارت جناب کلیم صدیقی صاحب صدر جمعیت شاہ ولی اللہ پھلت نے فرمائی اور اُن کے علاوہ پانچ دیگر مقررین نے حاضرین کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں سے دو خطیب ڈاکٹر اسلم عبد اللہ اور ڈاکٹر عرفان احمد خاں صاحب امریکہ سے تشریف لائے تھے، جناب محمد عنایت اللہ اسد سبحانی، شانتا پورم کیرالہ سے اور جناب سیّد عاصم علی سبزواری صاحب میرٹھ سے آئے تھے۔

قرآنِ کریم سے ہماری دوری نے ہمیں کتنا نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ قرآن سے وابستہ ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ قرآن میں درج اللہ کے احکامات کو سمجھنے کے بعد ہی پتہ لگتا ہے کہ ہماری زندگی کے شب و روز اور ہمارے معمولات کی اکثریت قرآنی احکامات کے عین مخالف ہے۔ ہماری عبادت محدود، نامکمل اور رسمی ہے، ہمارے رشتے اور تعلقات غلط بنیادوں پر قائم ہیں، علم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اور دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر کے ہم نے اللہ کے حُکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ ایسے میں لازم ہو جاتا ہے کہ عوام کو اس حقیقت سے روشناس کرایا جائے کہ وہ قرآنی احکامات سے چشم پوشی کر کے اللہ کی آیات کی تکذیب کر رہے ہیں اور لحظہ بہ لحظہ مسلسل سے عذابِ مستقل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسی جذبے کے تحت اس عوامی تحریک کی ابتداء کی گئی ہے جسکا مقصد عوام کو قرآن سے جوڑنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے واسطے کئی طریقے اپنائے جا رہے ہیں۔ جگہ جگہ ’’ترجمہ کلاسیں‘‘ منعقد کی جا رہی ہیں جن میں شرکاء کو قرآنی عربی کا مختصر کورس کرایا جاتا ہے تاکہ وہ از خود قرآن کا ترجمہ کر سکیں۔ اس پروگرام میں جناب عبد الکریم پاریکھ صاحب کا تشکیل کردہ دو سو گھنٹے کا قرآن کورس سب سے زیادہ مستعمل ہے۔ بہت جگہوں پر اسی انداز کے دوسرے کورس چل رہے ہیں۔ راقم کی اپنی کوشش یہ رہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اسکولوں میں نوجوانوں کو متحرک کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت خاکسار اسکولوں میں جا کر قرآن فہمی، قرآن اور علم، اسلام کیا ہے جیسے موضوعات پر نوجوانوں سے خطاب کرتا ہے۔ کئی سالوں کی کوششوں کے بعد الحمدللہ اب ایک نیٹ ورک سا وجود میں آتا جا رہا ہے جس کے تحت نوجوان خاکسار سے مستقل ربط میں رہتے ہیں۔ سالانہ قرآن کانفرنس، تمام سال کی کاوشوں کا کلائمکس ہوتی ہے۔

امسال، اس کانفرنس میں علم و عقل کے مفہوم و معنی اور ان سے متعلق قرآنی احکامات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی۔ ڈاکٹر محمد عنایت اللہ اسد سبحانی اور جناب سید عاصم علی سبزواری کے مقالات اس شمارے میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم عبداللہ، ڈائرکٹر اسلامک سوسائٹی آف نوادا، امریکہ نے اپنی تقریر میں جہالت اور علم کا تقابل کیا۔ اُس دور جاہلیت میں عورتوں پر کئے جانے والے مظالم اور آج عورت پر ہونے والے ستم میں کتنی مماثلت ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کو ہماری قرآن سے لاعلمی کا مظہر بتایا۔ ڈاکٹر عرفان احمد خاں، ڈائرکٹر ایسوسی ایشن فار قرآنک انڈراسٹینڈنگ، شکاگو، امریکہ نے اپنی تقریر میں وضاحت کی کہ قرآن فہمی ایک مسلسل اور شعوری عمل ہے، انسانی شعور میں ارتقاء کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی بھی ارتقاء پاتی رہتی ہے۔ یہ ایک جاری عمل ہے جس کو ’’جامد‘‘ نہیں کرنا چاہئے۔ خاکسار نے پاور پوائنٹ پریزنٹیشن کے ذریعے علم کے مفہوم کی وضاحت جامع لغات اور قرآن کریم کے حوالوں کے ساتھ کری اور اس بنیادی نکتہ پر توجہ مرکوز کرائی کہ لفظ ’’دین‘‘ کے مادّے میں قانون کا مفہوم شامل ہے اور خود قرآن کریم نے دین کا لفظ قانون کے لئے استعمال کیا ہے تو پھر اللہ کی کائنات میں جاری و ساری اللہ کے قوانین کا علم کیونکر ’’دینی علوم‘‘ سے باہر کہا جا سکتا ہے۔ جناب کلیم صدیقی صاحب نے صدارتی خطبے میں اس نکتے کی بھرپور وضاحت کی اور فرمایا کہ علم کی دینی اور دنیوی تقسیم غلط ہے۔ علم، علم ہے تاہم اس کو صرف انسانی فلاح اور خیر کے واسطے استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسکو وحیِ الٰہی کے تابع رکھا جائے۔

مدیر



ڈائجسٹ

ڈاکٹر محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

قرآن میں علم وعقل کا مقام

ہمارے کچھ علمی حلقوں کی طرف سے گاہے بگاہے یہ بات سننے میں آتی ہے، کہ دین اور علم وعقل کے درمیان بے گانگی پائی جاتی ہے، دین کی دنیا الگ ہے، علم وعقل کی دنیا الگ ہے۔

یہ بات بالکل ایسی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ سورج اور روشنی میں، یا گلاب اور خوشبو میں بیگانگی پائی جاتی ہے! سورج کی دنیا الگ ہے، روشنی کی دنیا الگ ہے، یا گلاب کی دنیا الگ ہے، خوشبو کی دنیا الگ ہے!

یہ بات دوسرے مذاہب اور دوسرے ادیان کے سلسلے میں ہوسکتا ہے صحیح ہو، لیکن دین اسلام کے سلسلے میں ذرا بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، دین اسلام نے علم وعقل کو جتنی اہمیت دی ہے، اتنی اہمیت کسی بھی دین ومذہب نے نہیں دی ہے۔ اور قرآن پاک میں عقل کا جتنا چرچا، اور علم کی جتنی ترغیب ہے، وہ کہیں اور ملنی مشکل ہے۔ مشکل نہیں، ناممکن ہے۔

انسان اللہ کا خلیفہ:

قرآن پاک نے علم وعقل کو کتنی اہمیت دی ہے، اس کا اندازہ لگانے کے لیے اس حقیقت کا استحضار کافی ہوگا کہ اس نے انسان کا تعارف اس حیثیت سے کرایا ہے، کہ وہ اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

(واذقال ربك للملائكة انى جاعل فى الارض خليفة)
(البقرہ:30)

ترجمہ: یاد کرو اس وقت کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میرا یہ فیصلہ ہے کہ زمین پر اپنا خلیفہ بناؤں گا۔

چنانچہ اس زمین پر انسان کا منصب یہ ہے کہ وہ اللہ کا خلیفہ ہے، زمین پر اللہ کا خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے، کہ یہ زمین اور اس کے تمام خزانے اس کے حوالے کردیے گئے، کہ وہ یہاں بے شمار نعمتوں کے سایے میں رہتے ہوئے ایک باعزت اور پرمسرت زندگی بسر کرے۔ اور جس مالک نے اسے یہ نعمتیں دی ہیں، اس کی عظمت کے گن گائے، اس کی طاعت وبندگی میں خوشی محسوس کرے، اور اگر کوئی اپنے مالک کو بھول جاتا ہے، یا اس سے سرکشی کرتا ہے تو اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔

اس زمین پر اللہ کا خلیفہ بنائے جانے کا مطلب یہ ہے، کہ خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جو جو چیزیں درکار ہوں گی، وہ ساری چیزیں انسان کو عطا کی جائیں گی۔ چنانچہ اللہ تعالی نے انسان کو تمام زمینی مخلوقات میں سب سے زیادہ خوبصورت جسم عطا کیا، اور اس جسم کو ان تمام طاقتوں اور صلاحیتوں سے مالا مال کردیا جو خلافت الہی کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے ناگزیر تھیں، اور جو انسان کے علاوہ



کسی اور زمینی مخلوق کو نہیں عطا کی گئیں۔

عقل کا کلیدی رول:

انسان کو اس مقصد کے لیے جتنی بھی صلاحیتیں اور قوتیں عطا کی گئیں ہیں، ان میں سب سے اہم اور بلند تر چیز عقل ہے، خلافت الٰہی کی ذمے داریاں ادا کرنے میں عقل کا ہی کلیدی رول ہوتا ہے، یہ عقل نہ ہو تو انسان کی ساری قوتیں اور ساری صلاحیتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے قرآن پاک میں انسان سے جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں، عقل کے حوالے سے کہی گئی ہیں، عقل سے کام لینے کی بار بار اسے دعوت دی گئی ہے، اور اسے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے، جو عقل کے خلاف ہو۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

(وہی ہے جو موت وحیات کا مالک ہے، باری باری رات و دن کا آنا جانا اسی کے حکم سے ہوتا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

''آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، یکے بعد دیگرے رات و دن کے آنے جانے میں، اس کشتی میں جو سمندر میں دوڑتی ہے، اور انسانوں کی راحت و منفعت کے سامان لاتی لے جاتی ہے، اور اس بارش میں جو اللہ تعالی اوپر سے برساتا ہے، اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اور اسے ہر طرح کے جانداروں سے آباد کر دیتا ہے، اور ان بادلوں میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان اللہ کے احکام کی تعمیل میں مصروف ہوتے ہیں، ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

(البقرہ:164)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

''بے حیائیوں کے قریب نہ جاؤ، چاہے وہ کھلی ہوئی ہوں یا چھپی ہوئی، اور جس جان کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے، اسے ناحق قتل نہ کرو، یہ اللہ کا تاکیدی حکم ہے، امید ہے تم سمجھ بوجھ سے کام لوگے۔''

(الانعام: 151)

یہ چند مثالیں ہیں، اس طرح کی مثالیں قرآن پاک میں بہت زیادہ ہیں، قرآن پاک اسی طرح عقل کو مہمیز لگاتا، اسے اس کے مقام کا احساس دلاتا، اور نہایت مؤثر انداز میں اسے سوچنے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ انسانوں سے جو بات بھی کہتا ہے، ان کی عقلوں کے واسطے سے کہتا ہے، کوئی بات ان پر اوپر سے مسلط نہیں کرتا۔

وہ کوئی بات اوپر سے مسلط کیوں کرے گا، جب کہ اس کی ساری باتیں عقل کو اپیل کرنے والی، اس کو سکون عطا کرنے والی، اور اس کی تشنگی بجھانے والی ہوتی ہیں؟

یہ تو ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک کی کسی بات یا کسی حکم کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی کوئی بات، یا اس کا کوئی حکم عقل کے خلاف، یا اس کے لیے الجھن کا باعث ہو۔

ظاہر ہے کوئی بات، یا کسی بات کی کوئی حکمت اگر ہماری سمجھ میں نہیں آتی، تو اس کی وجہ ہماری کم علمی یا کوتاہ فہمی بھی ہو سکتی ہے، اس سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی کہ وہ بات، یا وہ حکم خلاف عقل ہے۔

عقل اور نفس کی کشمکش:

البتہ یہ بات یاد رہے، کہ عقل کے اشاروں کو سمجھنے میں انسان بہت دھوکا کھاتا ہے، وہ بارہا عقل کے نام پر بے عقلی کی باتیں کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر عقل کے پہلو بہ پہلو ایک اور چیز بھی رکھی گئی ہے، جسے نفس یا نفس امارہ کہا جاتا ہے۔

نفس امارہ کا مطلب ہوتا ہے، برائیوں پر اکسانے والا نفس۔ یہ نفس امارہ شیطان کا ہتھیار ہوتا ہے، جو انسان کی آزمایش کے لیے اس کے وجود میں رکھ دیا گیا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان



کونہایت عیاری کے ساتھ صحیح راستے سے ہٹا کر غلط راستے پر ڈال دیتا ہے، وہ عقل کے نام پر انسان سے بے عقلی کی حرکتیں کراتا ہے۔ وہ ایسی ایسی باتیں انسان کو سجھاتا ہے، جو بظاہر بڑی خوش نما، اور نہایت عاقلانہ ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں وہ نہایت احمقانہ، اور نتائج کے لحاظ سے انتہائی نقصان دہ، بلکہ بسا اوقات تباہ کن ہوتی ہیں!

یہی نفس امارہ ہے، جس کے بارے میں کہنے والے نے کہا ہے، اور بہت صحیح کہا ہے۔ ع

بڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا
نہنگ واژدھا وشیر نر مارا تو کیا مارا؟

عام طور سے یہ نفس امارہ انسانی عقل پر بری طرح حاوی ہوجاتا ہے، اور اس طرح حاوی ہوجاتا ہے، کہ انسان کو محسوس بھی نہیں ہوتا، اس وقت صورت حال یہ ہوتی ہے کہ وہ عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑتا ہے، اور اس خوش فہمی میں رہتا ہے کہ وہ عقل کی جنگ لڑ رہا ہے، اور ایوان عقل کے ستون مضبوط کر رہا ہے !

اس نفس امّارہ کی فتنہ سامانیاں اور تبہ کاریاں اس وقت دیکھنے کی ہوتی ہیں جب کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس سے لوگوں کی محبتیں یا نفرتیں، مصلحتیں یا مضرتیں، دل چسپیاں یا بے زاریاں وابستہ ہوں، اس وقت یہ عاقل انسان عارضی جذبات سے مغلوب ہوکر خود اپنی عقل کا دشمن ہوجاتا، اور مکمل طور سے نفس امارہ کا غلام بن جاتا ہے!

یہ کوئی فرضی یا خیالی باتیں نہیں، بلکہ واقعات کی دنیا میں عام طور سے یہی ہو رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ دور گرچہ عقلیت کا دور کہا جاتا ہے، لیکن زندگی کے بہت سے گوشوں میں عقل کی برکتوں سے یکسر محروم ہے، دین و مذہب کا معاملہ ہو، یا باہمی معاملات وتعلقات کا، یا دوسروں کے ساتھ عدل وانصاف اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا، عقلیت کے اس دور میں بھی انسان ان تمام باتوں میں عام طور سے جذبات سے بری طرح مغلوب ہوجاتا ہے، وہ عقل کا کوئی مشورہ سننے اور ماننے کا روادار نہیں ہوتا !

نفس کے سو بھیس !

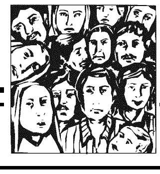
یہ نفس امّارہ کبھی تہذیب اور کلچر کی حفاظت کے روپ میں سامنے آتا ہے، کبھی قومی عزت اور ملکی مفاد کے روپ میں سامنے آتا ہے، کبھی خاندانی روایات اور خاندانی وقار کے روپ میں سامنے آتا ہے، کبھی مسلکی عصبیت، یا مسلکی حمیّت کے روپ میں سامنے آتا ہے، کبھی ذات اور برادری کے فرق وامتیاز کے روپ میں سامنے آتا ہے، کبھی دین دھرم سے وابستگی اور اس کے لیے قربانی کے روپ میں سامنے آتا ہے، کبھی دیش کی ترقی اور نیک نامی کے روپ میں سامنے آتا ہے، اور نہ جانے کن کن روپوں اور کیسے کیسے بھیسوں میں سامنے آتا ہے، اور اتنے طمطراق اور اتنے طنطنے کے ساتھ آتا ہے، کہ عقل اس کے سامنے بالکل بے دست و پا ہوجاتی ہے، وہ نہایت بے بسی کے ساتھ اپنا سر پیٹ کے رہ جاتی ہے!

یہ تمام جلوے، یا یہ سارے بھیس نفس امّارہ کے ہوتے ہیں، نہ کہ عقل کے، مگر مفت میں عقل بدنام ہوئی، اور یہ سارے بھیس عقل کے سر تھوپ دیے گئے، چنانچہ کہنے والے یہ تک کہہ گزرے:

عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملّا ہے، نہ زاہد، نہ حکیم

مگر یہ بات خلاف واقعہ ہے، صحیح بات یہ ہے، کہ نفس عیار ہے سو بھیس بنالیتا ہے، اور نفس کی یہی عیاری عقل کے لیے سدّ راہ، یا زنجیر پا ثابت ہوتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں نفس اور عقل کی کشمکش ہوگی، وہاں عموماً نفس کی فتح اور عقل کی شکست ہوگی، اس کشمکش حیات میں عقل کی مثال بالکل ایسی ہی ہوتی ہے، جیسے ہوا کے تیز جھونکے میں کسی موم



بتی، یا تیل سے جلنے والے کسی دیے کی!

آزاد عقل کے کرشمے:

البتہ جہاں عقل اور نفسانیت کی کشمکش نہ ہو، وہاں عقل کے کارنامے قابل دید، بلکہ محیر العقول ہوتے ہیں۔ آج کی سائنس اور ٹکنالوجی اسی عقل کے کارنامے ہیں، آج کا انسان ایجادات واختراعات کی دنیا میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا! اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، کہ کل وہ کہاں پہنچ جائے گا۔

اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، کہ اس میدان میں اسے کسی کش مکش کا سامنا نہیں ہوتا، عقل کو اپنی جولانیاں دکھانے کے لیے ایک خالی میدان حاصل ہوتا ہے، جس میں اس کا کوئی حریف نہیں ہوتا۔

اس طرح انسان عقل کی مدد سے اچھے سے اچھا سائنٹسٹ، اور اچھے سے اچھا انجینیر بن سکتا ہے، وہ عقل کی مدد سے اچھے سے اچھا ڈاکٹر، اور اچھے سے اچھا کاریگر بن سکتا ہے، وہ عقل کی مدد سے اچھے سے اچھا فنکار، اور اچھے سے اچھا اسکالر بن سکتا ہے، وہ عقل کی مدد سے وہ سب کچھ بن سکتا ہے، جو انسان کے دائرۂ امکان سے باہر نہ ہو۔

البتہ یہ سب کچھ بن جانے کے بعد وہ اس علم وفن، یا اس ہنر کو استعمال کہاں کرے ؟ کس مقصد کے لیے کرے؟ اور کس طور سے کرے؟ اس سلسلے میں اس کے کیا اصول اور کیا ترجیحات ہوں؟ محض عقل کی بنیاد پر اس کا صحیح فیصلہ کرنے میں وہ ناکام ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سارے امور میں نفس امارہ عقل کا پیچھا کرتا، اور اس پر اتنے حملے کرتا ہے، کہ عقل نربس اور پھر بے بس ہو جاتی ہے۔ وہ انسان کو پستی کی طرف جانے سے روکنے میں ناکام رہتی ہے۔

البرٹ آئن اسٹائن کے دورخ!

اس کی نہایت واضح مثال البرٹ آئن اسٹائن ہے، اس نے جس وقت یورینیم کے اندر چھپی ہوئی زبردست انرجی کو پہلی بار دریافت کیا، اس وقت اس کی زبردست عقل اس کے ہم رکاب تھی، اور وہ نفس امارہ کی مداخلت سے آزاد ہو کر اس کی صحیح رہ نمائی کر رہی تھی، اور اس کی یہ دریافت سائنسی دنیا کی ایک عظیم فتح قرار پائی، جو سرتاسر اس کی زبردست عقل کا زبردست کارنامہ تھی۔

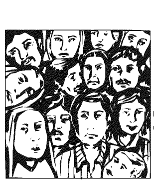
البتہ اس یورینیم کا استعمال کیسے ہو؟ اور اس سے کیا کام لیا جائے؟ جب یہ سوال اس کے سامنے آیا، تو اس وقت اس کی عقل کی روشنی اس کا ساتھ نہ دے سکی، اس لیے کہ یہاں نفس امارہ تال ٹھونک کر میدان میں آ چکا تھا !

جس وقت البرٹ آئن اسٹائن نے اس وقت کے صدر امریکا ایف۔ ڈی۔ روز ولٹ کو خط لکھا کہ یورینیم کو ایک زبردست سورس آف انرجی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، اس سے نہایت طاقت ور ایٹم بم تیار کیا جا سکتا ہے، جو سکنڈوں میں انسانوں کی ایک بہت بڑی بستی کو کھنڈر میں تبدیل کر سکتا ہے !!

جس وقت آئن اسٹائن نے صدر امریکا کو اس طرح کا خط لکھا تھا، اور اسے ایٹم بم بنانے کا فارمولا فراہم کیا تھا، اس وقت وہ عقل کی زبان سے نہیں بول رہا تھا، اس وقت وہ مکمل طور سے نفس امارہ کے شکنجے میں تھا !!

ظاہر ہے کوئی انسانی عقل کبھی اس بات کا مشورہ نہیں دے سکتی، کہ کوئی ایسا ہتھیار، یا کوئی ایسا بم تیار کیا جائے، جو سکنڈوں میں خوب صورت انسانی آبادیوں کو ویران کھنڈرات میں تبدیل کر دے، اور ہزاروں لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کی نیند سلا دے، یا انھیں ذہنی اور جسمانی لحاظ سے بالکل بے کار کر کے چھوڑ دے !

یہ بھاوا اگر دے سکتا ہے، تو وہ نفس امارہ ہی دے سکتا ہے، جو ہمیشہ عقل کا دشمن ہوتا ہے، اور جو اچھے اچھے دانش وروں کو منہ کے بل پٹک دیتا ہے، اور ان سے ایسی ایسی حرکتیں کرواتا ہے، کہ ایک عام انسان بھی سر پیٹ کے رہ جاتا ہے!



نفس امارہ اور عقل کی کشمکش، اور اس کشمکش میں نفس امارہ کی فتح، اور عقل کی شکست کا منظر اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے، جب انسان جذباتی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے، جب وہ نفرت یا محبت، خوشی یا غصے، خوف، یا طمع کی حالت میں ہوتا ہے، اس وقت نفس امارہ پوری طرح اس پر غالب ہوتا ہے، اور عقل کی آواز سننے کے لیے اس کے کان بالکل بہرے ہوجاتے ہیں۔

دنیا کے دو متضاد مناظر!

چنانچہ آج کا انسان اس زمین پر اپنی آنکھوں سے بالکل ہی دو متضاد مناظر دیکھ رہا ہے، ایک طرف وہ سائنس اور ٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقیاں دیکھ رہا ہے، جن کا آج سے چند سال پہلے کوئی تصور ہی نہیں تھا، اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان آج ترقی کے بام عروج پر ہے۔

دوسری طرف وہ انسانی بستیوں سے انسانیت اور بھلمنساہت کے جنازے اٹھتے دیکھ رہا ہے، ہر چہار سو اخلاقی قدروں اور انسانی تہذیب کی دھجیاں اڑتے دیکھ رہا ہے، جدھر بھی نظر اٹھ جائے، حد سے بڑھی ہوئی بے حیائی، بے شرمی، بے رحمی، بے مروّتی، بد اخلاقی، اور درندوں کو بھی شرما دینے والی درندگی دیکھ رہا ہے!

طرفہ تماشا یہ کہ جو ممالک یا جو انسانی سماج سائنس اور ٹکنالوجی میں جتنے آگے ہیں، اخلاقی کرپشن، اور تہذیبی دیوالیہ پن میں بھی اتنے ہی آگے ہیں! کہنے والے نے کتنی صحیح بات کہی ہے: ع

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہء نفع وضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

یہاں پہنچ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ عقل رکھنے والا انسان عقل کی روشنی رکھتے ہوئے بھی کیونکر گمراہ ہوجاتا ہے، اور یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کے عقل وخرد سے مالامال ہونے کے باوجود اللہ تعالی نے ہر زمانے اور ہر بستی میں اتنے سارے انبیاء اور رسول کیوں بھیجے؟ اور ان رسولوں اور نبیوں کے ساتھ اپنی کتابیں کیوں بھیجیں؟

اللہ تعالی نے یہ کتابیں عقل کو معطل کرنے کے لیے نہیں بھیجیں، بلکہ اس لیے بھیجیں کہ ان کے ذریعہ نفس امارہ کے حملوں سے عقل کی حفاظت ہو، چنانچہ اسی مقصد سے ہر دور، اور ہر خطے میں اللہ کے نبی آتے رہے، وہ عقل کے دروازوں پر دستک دیتے رہے، وہ عقل کی بجھتی ہوئی قندیلوں کو اپنے خون جگر کے روغن سے روشن کرتے رہے، وہ انسانوں کو نفس امارہ کی اندھی پیروی کرنے کے بجائے عقل کی روشنی میں زندگی گزارنے کی دعوت دیتے رہے۔

انسانی تاریخ کی یہ بھی ایک زبردست ٹریجڈی ہے، کہ جو الہامی کتابیں اس لیے آتی رہیں کہ انسانی عقلوں کو جگائیں، بجھتی ہوئی قندیلوں میں روغن ڈال کران کی لو کو تیز کریں، عقل سلیم کو نفس امّارہ کے حملوں کا مقابلہ کرنے کی تربیت دیں، خود وہی کتابیں اپنے ماننے والوں کی غفلت، یا نادانی، یا بے توفیقی سے رفتہ رفتہ نفس امارہ کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوجاتی رہیں!

سب سے آخر میں ہماری قسمت سے اللہ تعالی نے ایک ایسی کتاب بھیجی، جس کی حفاظت کا اس نے خود ذمہ لیا، فرمایا: اس کتاب میں باطل کے دراندازی کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے، (**لا یأتیہ الباطل من بین یدیه و لا من خلفه، تنزیل من حکیم حمید**)

(فصلت:42)

یہی کتاب ہے، جسے دنیا قرآن پاک کے نام سے جانتی ہے، یہ کتاب شروع سے آخر تک انسانی عقل سے خطاب کرتی ہے، اور



اسے فطرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتی ہے۔ اور چونکہ یہ براہ راست انسانی عقل سے خطاب کرتی ہے، اسی لیے اگر عقل کی روشنی بجھی نہ ہو، تو وہ بے تأمل اس کی دعوت پر لبیک کہتی، اور اسی میں اپنا کھویا ہوا سکون، اور اپنا کھویا ہوا مقام تلاش کرتی ہے۔

عقل کو یہ عزت کسی نے نہیں دی!

اس کتاب نے انسانی عقل کو جو عزت دی ہے، اور جتنا اس کا رتبہ بڑھایا ہے، یہ اسی کتاب کے ساتھ خاص ہے، اس حیثیت سے کوئی بھی دوسری کتاب اس کے مقابلے میں نہیں پیش کی جاسکتی۔

یہاں ہم چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں، جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گی، ایک جگہ قرآن پاک میں آیا ہے:

''جسے حکمت یعنی عقل وفہم کی نعمت مل گئی، اسے خیر کا خزانہ مل گیا، نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔'' (البقرہ: 269)

ایک دوسری جگہ فرمایا: 'یہ باتیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے، ان کو نہیں سمجھ سکتے مگر وہی لوگ جو علم وفہم رکھتے ہوں۔'

ایک تیسری جگہ فرمایا: ''وہ جہنمی کہیں گے، اگر ہم رسولوں کی باتیں سنتے، یا عقل سے کام لیتے، تو جہنم میں جانے والوں میں سے نہ ہوتے۔'' (الملک: 10)

ایک چوتھی جگہ فرمایا: ''تم انہیں سمجھتے ہو کہ اکٹھا ہیں، مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں، ایسا اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل سے کام نہیں لے رہے ہیں۔'' (الحشر: 14)

یہ چند آیات ہیں، ورنہ قرآن پاک میں اس طرح کی آیات بہت ہیں، یہ آیات یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں، کہ قرآن پاک نے عقل انسانی کو بہت عزت دی ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کسی کافر و مشرک کی عقل ہے، یا کسی حق پرست اور خدا پرست انسان کی، وہ کسی یہودی یا عیسائی کی عقل ہے، یا کسی مومن و مسلم شخص کی۔

اس کی وجہ یہ ہے، کہ انسان تو کافر و مشرک، یا یہودی یا عیسائی ہوتا ہے، مگر عقل ہمیشہ مسلم اور حق پرست ہی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی دباؤ میں نہ ہو، تو وہ حق کی طرف ہی انگلی اٹھاتی، اور حق کا ہی راستہ دکھاتی ہے۔

قرآن پاک جس وقت نازل ہونا شروع ہوا، اس وقت پورا انسانی سماج ہی کفر وشرک میں مبتلا تھا، کوئی بت پرست تھا، کوئی آتش پرست تھا، کوئی عزیر پرست تھا، کوئی مسیح پرست تھا، کوئی نفس پرست تھا، کوئی روایت پرست تھا، اس وقت کا پورا سماج رنگ برنگ کی پرستشوں کے جال میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔

اس کے باوجود قرآن پاک نے ان کی عقلوں سے خطاب کیا، اور یہ خطاب بے اثر نہیں رہا، ان کی عقلوں نے قرآن پاک کے پیغام کو سنا، اور انہیں اس کا خیر مقدم کرنے کا مشورہ دیا، جن لوگوں نے عقل کے مشورے پر کان دھرا، وہ صحیح راہ پر آ گئے، جنہوں نے اس کے مشورے کو اہمیت نہیں دی، وہ بھٹکتے ہی رہ گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رتبہ ومقام کو اسی وقت پہچان سکتا ہے، جب وہ اپنی عقل کی قدر و قیمت کو پہچانے، عقل کی قدر شناسی دنیا میں بھی قوموں کو بلندیوں سے ہم کنار کرتی ہے، اور آخرت کی کامرانیاں بھی اسی سے حاصل ہوں گی۔

عقل اک چراغ ہے!

مگر ضروری ہے کہ ہم نفس اور عقل میں فرق کریں، اور نفس کی عیاریوں اور فتنہ طرازیوں کو عقل کے کھاتے میں ڈالنے کی غلطی نہ کریں۔ عقل ایک چراغ ہے، اور چراغ کا کام روشنی بکھیرنا ہے، اگر چراغ بجھا ہوا نہیں ہے، تو وہ لازماً راستے میں روشنی بکھیرے گا، اور کسی گڈھے یا کنوے میں گرنے، یا کسی دیوار سے ٹکرا جانے سے بچائے گا۔

البتہ چراغ کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری



ہوتا ہے، کہ انسان نشے کی حالت میں نہ ہو، یا اس نے اپنی آنکھوں پر کالی پٹی نہ باندھ رکھی ہو، بالکل اسی طرح عقل کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان نفرت یا محبت کے جذبات سے بالکل مغلوب نہ ہو گیا ہو، بالفاظ دیگر وہ نفس امارہ کا غلام نہ بن گیا ہو، اس کے اندر حقیقت کی جستجو موجود ہو، اور حق واضح ہو جانے پر اسے ماننے اور اپنانے کا حوصلہ بھی پایا جاتا ہو۔

علامہ حمید الدین فراہیؒ بیسویں صدی عیسوی کے ایک نہایت عظیم مفسر قرآن گزرے ہیں، ان کی ایک نہایت اہم تصنیف ہے (حجج القرآن)، یعنی قرآنی دلائل، یہ کتاب عربی زبان میں ہے، اس میں انہوں نے قرآن پاک کی روشنی میں عقل پر نہایت اچھی گفتگو کی ہے، جستہ جستہ اس کے کچھ فقرے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں، علامہؒ فرماتے ہیں:

عقل اک خدائی نور ہے!

''عقل ایک خدائی نور ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے انسانوں کو چوپایوں سے ممتاز کیا ہے۔''

''انسان فطری طور سے عقل سے رہ نمائی حاصل کرتا، اسی سے مطمئن ہوتا، اور مخالفین کے سامنے اسی سے استدلال کرتا ہے۔ اور اسی سے اسے تمام علوم حاصل ہوتے ہیں، چاہے وہ علوم ہوں جو گہرے غور وفکر اور تحقیق واستنباط کا نتیجہ ہوں، یا وہ علوم ہوں جو بدیہیّات کے زمرے میں آتے ہوں۔''

''وحی الٰہی کا کام یہ ہوتا ہے، کہ وہ عقل کو جگاتی، اسے راہ راست پر قائم رکھتی، اس کے رتبہ ومقام کا اسے احساس دلاتی، اور اس کے صحیح فیصلوں کی توثیق کرتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک نے غور وفکر کی بہت ترغیب دی ہے، اور سوچنے اور غور کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ دیکھو، ہمارے امام وپیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح صریح عقلی دلیلوں سے اہل کفر کو جھنجوڑا، جب کہ وہ لوگ خالص وہم وتقلید کا شکار تھے۔''

''یہ ایک حقیقت ہے کہ عقل کی رہ نمائی، علم کی دست گیری، اور عمل صالح کے اہتمام کے بغیر نجات ممکن نہیں، کہ عقل ہی انسان کی ہمدم دیرینہ، علم ہی اس کا سب سے مضبوط سہارا، اور عمل صالح ہی اس کی سب سے بڑی کام یابی کا سب سے بہتر راستہ ہے۔ قرآن پاک نے متعدد جگہوں پر ان تینوں چیزوں کی اہمیت واضح کی ہے۔''

(حمید الدین فراہی۔ حجج القرآن: 174-175۔ دائرہ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے میر)

یہ ہیں عقل کی عظمت واہمیت کے سلسلے میں مفسر قرآن علامہ حمید الدین فراہیؒ کے چند افادات، جو گرچہ بہت مختصر ہیں، مگر نہایت قیمتی ہیں، ان سے عقل کی عظمت، انسانی زندگی میں اس کی اہمیت، اس کے سلسلے میں وحی الٰہی کا موقف، اور اس کے دائرہ کار کی وسعت نہایت واضح طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

عقل اور وحی الٰہی کی مثال:

ایک دوسرے پہلو سے دیکھا جائے، تو وحی الٰہی کی مثال ایک آفتاب جہاں تاب کی ہے، اور عقل انسانی کی مثال آنکھوں کی روشنی کی ہے۔ آفتاب کی روشنی سے آدمی اسی وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے، جب اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں، اور ان آنکھوں میں روشنی موجود ہو، کسی وجہ سے وہ ضائع نہ ہو گئی ہو۔

بالکل اسی طرح وحی الٰہی سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے اور اٹھا سکتے ہیں، جن کی عقل کی روشنی موجود ہو، اس پر گناہوں کی کائی نہ جم گئی ہو، اور اس روشنی سے وہ وحی الٰہی کی روشنی حاصل کرنے کے آرزومند ہوں۔



جب عقل کی روشنی سے وحی الٰہی کی روشنی مل جاتی ہے، تو حقیقت میں یہی چمنستان انسانیت کی بہار ہوتی ہے، اس وقت ذہنوں کے بند دریچے کھل جاتے ہیں، طبیعتوں میں نور کے جھرنے رواں ہوجاتے ہیں، اور ہر چہار جانب سے علوم کے سوتے ابل پڑتے ہیں!

یہ شرعی علوم بھی ہوتے ہیں، اور کائناتی علوم بھی ہوتے ہیں، جس طرح شرعی علوم کے جھرنے کتاب الٰہی کی بلندیوں سے رواں ہوتے ہیں، اسی طرح صالح ونافع کائناتی علوم کے جھرنے بھی کتاب الٰہی کی ہی بلندیوں سے رواں ہوتے ہیں۔

قرآن علوم کا سمندر!

اس کی نہایت واضح مثال رسول پاک ﷺ اور آپ کے خداپرست ساتھیوں کی زندگیاں ہیں۔ان لوگوں کے پاس قرآن پاک کے علاوہ کوئی کتاب نہیں تھی، ان لوگوں نے درس گاہ نبوت کے علاوہ کہیں کسی عصری کالج یا کسی عصری یونیورسٹی میں کوئی تعلیم نہیں حاصل کی تھی، مگر جب اللہ تعالی نے انہیں اقتدار کی دولت سے نوازا، جب انہیں دنیا کی سربراہی کا منصب عطا کیا، تو انہوں نے اسی قرآن کے ذریعہ قوموں پر حکومت کی، اور حکومت کے تمام تقاضے پورے کیے۔

انہیں عملی دنیا میں کبھی کسی کمزوری یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا، نہ علمی اور فکری طور پر کبھی اپنی کم علمی اور بے مائگی کا احساس ہوا۔اسی قرآن میں انہیں وہ سارے علوم مل گئے جو جہاں بانی، بلکہ صحیح ترلفظوں میں اس زمین پر خلافت الٰہی کے فرائض انجام دینے کے لیے ناگزیر تھے۔

انہیں اس عظیم سلطنت کا دستور اور اس کے لیے آئین وقوانین بنانے کے لیے باہر سے ماہرین دستور اور ماہرین قانون نہیں تلاش کرنے پڑے، انہوں نے مملکت کا دستور، اور سیاست کے سارے اصول اسی قرآن سے معلوم کیے، اور اس سیاست میں وہ پوری طرح کامیاب رہے، دنیا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، جب اس نے دیکھا کہ انہوں نے بہت ہی قلیل عرصے میں اس وقت کی رومی اور ایرانی شہنشاہیتوں کو پاش پاش کرکے ایک ایسی مثالی سلطنت قائم کردی، جو انسانوں کے حق میں ان ظالم شہنشاہیتوں سے ہزار درجہ بہتر تھی۔

انہوں نے ایک ایسی سلطنت قائم کردی، جس میں ہر ایک شہری کو عزت، اور ہر ایک کو پوری آزادی حاصل تھی، ہر ایک کو امن اور ہر ایک کو خوش حالی حاصل تھی، چاہے کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم، کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی، یا کوئی زیادتی، یا کسی طرح کی کوئی حق تلفی نہیں تھی۔

اس سلطنت میں عدل وانصاف کا ایسا دوردورہ تھا کہ خود غیر مسلموں نے اس بات کی گواہی دی کہ ان کی اپنی قوم کے لوگوں نے کبھی ایسی حکومت نہیں کی، اور انہیں اپنوں کی حکومت میں کبھی وہ انصاف نہ مل سکا، جو ان خداپرستوں کی حکومت میں ملا۔

انہوں نے معاشیات کے سارے اصول اسی قرآن سے دریافت کیے، اور پورے ایشیا، افریقہ، اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر پھیلی ہوئی اس عظیم سلطنت میں ایسا معاشی نظام قائم کیا، جو ہر ایک کی روزی روٹی کا کفیل تھا، اس سلطنت میں کوئی ایسا شخص ملنا مشکل تھا جو معاشی بدحالی کا شکار ہو، اس سلطنت میں ہر ایک کو اس کے حصے کی روزی ملتی تھی، اور عزت کے ساتھ ملتی تھی۔

رسول پاک ﷺ کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی ایک روز اپنی پبلک سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! تمہیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی، بس ہمیں یہ اطلاع ہوجانی کافی ہے، کہ تمہاری یہ ضرورت، یا تمہارے یہ حقوق ہیں، گھر بیٹھے بیٹھے تمہاری تمام ضرورتیں پوری ہوجائیں گی، تمہارے سارے حقوق اداہوجائیں گے۔''

اس اسلامی مملکت کا تعلیمی نظام، تربیتی نظام، عدالتی نظام، فوج



داری نظام، فوجی نظام، دفاعی نظام، تجارتی نظام، زراعتی نظام، داخلی نظام، خارجی نظام، ٹریفک نظام، مواصلاتی نظام، علاج معالجے کا نظام، اشیاء ضرورت کی تیاری اور فراہمی کا نظام، غرض ایک عظیم اسٹیٹ کی جتنی بھی ضرورتیں ہوسکتی ہیں، ان تمام ضرورتوں کی تکمیل کے لیے وہ مسلم امت کسی دوسرے کی محتاج نہیں رہی، قرآن پاک ان کی رہ نمائی کے لیے کافی تھا۔

یہ قرآن پاک نہ صرف یہ کہ انسانی علوم، یا کائناتی علوم کا مخالف نہیں، بلکہ وہ خود سارے علوم کا خزانہ ہے، وہ سارے علوم کے لیے ایک گائڈ بک کی حیثیت رکھتا ہے۔ بظاہر وہ ایک سادہ سی کتاب معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں وہ علوم کا ناپید اکنار سمندر ہے۔

عظمت قرآن کا ایک خاص پہلو:

قرآن پاک کی عظمت کا اک خاص پہلو اور ہے، وہ انسانی عقل کو کائنات کی اک اک چیز پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، وہ اسے تلاش و جستجو کا عادی بناتا ہے، مثال کے طور پر (الروم: 20-26) میں وہ کہتا ہے:

’’یہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر یکا یک تم ہوگئے انسان، سارے عالم میں پھیلے ہوئے۔ یہ بھی اس کی زبردست نشانی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان اس نے محبت اور ہم دردی پیدا کی، بلا شبہہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کریں۔ اس کی زبردست نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق بھی ہے، تمہاری الگ الگ زبانیں اور بھانت بھانت کے رنگ بھی ہیں، بے شک ان کے اندر بڑی نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے۔ راتوں اور دن میں تمہارا سونا، اور اس کا فضل حاصل کرنے کے لیے تمہارا جدوجہد کرنا، یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ بے شک اس میں سوچنے کے بہت سے پہلو ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔ اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے، جس میں خوف کا پہلو بھی ہوتا ہے، اور امید کی کرن بھی، اور وہ اوپر سے پانی برساتا ہے، جس سے زمین میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے، جب کہ زمین بالکل مردہ ہو چکی ہوتی ہے، بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔ یہ بھی اس کی کتنی بڑی نشانی ہے، کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر ایسا بھی ہوگا کہ وہ تمہیں ایک آواز دے گا، اور تم زمین سے باہر آجاؤ گے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے، سب اس کے آگے سرفگندہ ہیں۔‘‘

ایک ہی مقام پر وہ غور و فکر کے لیے خدا کی رحمت و ربوبیت اور قدرت کے اتنے سارے جلوے سامنے رکھ دیتا ہے، کہ انسان اگر غور کرے تو ہفتوں مہینوں اسی میں ڈوبا رہے، اس طرح قرآن پاک کی رہ نمائی اور سرپرستی میں تربیت پانے والی عقل کے اندر بحث وتحقیق اور اختراع و ابتکار کی زبردست صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اور رفتہ رفتہ اس میں بلا کی زرخیزی آجاتی ہے۔

قرن اول کے مسلمانوں نے چونکہ قرآن پاک کے ہی زیر سایہ تربیت پائی تھی، قرآن پاک ہی ان کا اوڑھنا بچھونا، اور ان کے شب وروز کا ساتھی تھا، وہی ان کی روح کا سکون، ان کی آنکھوں کا نور، اور ان کے ساز دل کا سب سے پیارا نغمہ تھا، اس وجہ سے قرآن پاک کی روشنی انہیں بھرپور طریقے سے حاصل ہوئی، انہوں نے ہر چیز قرآن پاک کی روشنی میں دیکھی، اور قرآنی روشنی نے ان کے لیے کائنات کے سارے راز روشن کر دیے، اس طرح شرعی علوم کے پہلو بہ پہلو کائناتی علوم کے بھی سارے دروازے ان پر کھل گئے۔

سائنسی علوم کے بانی:

یہ اسی قرآنی تربیت کا نتیجہ تھا، کہ وہ اس دنیا میں سائنسی علوم کے



ڈائجسٹ

بانی قرار پائے، اس مسلم امت سے پہلے دنیا میں کہیں سائنس کا وجود نہیں تھا، بس کچھ ذہنی فارمولے تھے، جو محض ظن وقیاس پر مبنی تھے، وہ کسی سائنسی تجربے سے نہیں گزرے تھے، یہ مسلم امت کی حقیقت پسندانہ جستجو تھی، کہ انہوں نے اس وقت تک کسی فارمولے کو تسلیم نہیں کیا جب تک عملی تجربے کے مرحلے سے اسے گزار نہیں لیا۔

اس وقت یہ بات واضح ہوئی کہ ارسطو اور افلاطون اور دیگر حکمائے یونان کے بہت سے فارمولے محض ظن وقیاس پر مبنی تھے، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، انہیں جب عملی تجربات کے مرحلے سے گزارا گیا، تو وہ بالکل غلط ثابت ہوئے۔

یہ تاریخ کی صریح غلط بیانی ہے کہ اس نے سائنسی علوم کی ایجاد کا سہرا یونان کے سر باندھ دیا، جبکہ یہ مکمل طور سے اس قرآنی امت کا فیض تھا، جس نے خود قرآن پاک سے براہ راست کائنات کی نشانیوں پر غور وفکر کرنا، اور زبردست کائناتی حقائق کی چھان بین کرنا سیکھا تھا، چنانچہ اس امت نے نہ صرف عقلی طور پر ان حقائق کا سراغ لگایا، بلکہ عملاً انہیں تجربات کی دنیا سے گزار کر اپنی دریافتوں کے صحیح ہونے کا یقین حاصل کیا۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے، کہ اگر مسلم امت نے سائنس اور سائنسی علوم کی داغ بیل ڈالی، اور ان میدانوں میں انہوں نے کوئی قابل ذکر کام کیا ہے، تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

قدیم مسلم لائبریریاں:

اس کے واضح ثبوت تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں، بغداد کو خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں، یعنی ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے جب تاراج کیا ہے، تو اس وقت وہاں دنیا کی سب سے بڑی لائبریری موجود تھی، مگر تاتاریوں نے اسلام دشمنی، یا مسلم دشمنی میں وہ ساری کتابیں دریائے دجلہ میں بہادیں!

اس سے بیس ہی سال پہلے یعنی سنہ ۶۳۶ھ میں جب صلیبیوں نے مسلم قرطبہ کو تاراج کیا، اور وہاں مسلم خون کی ہولی کھیلی گئی، تو انہوں نے قرطبہ کی لائبریری کو بھی آگ لگادی، جو اس وقت کی دنیا کی تیسرے نمبر کی لائبریری تھی!

حد یہ ہے کہ صلیبی لشکر کا ایک قسیس جس کا نام کمیس بتایا گیا ہے، اس نے قرطبہ کے ایک میدان میں اسی موقع پر ایک ہی دن میں 80 ہزار کتابیں نذر آتش کردیں!

پھر قرطبہ کی تباہی کے دس سال بعد، یعنی ۶۴۶ھ میں جب صلیبیوں نے اشبیلیہ کو تباہ کیا ہے، تو وہاں کے کتب خانے کو بھی انہوں نے نذر آتش کردیا!

قاہرہ کی عظیم لائبریری تھی، جو مکتبۂ دارالحکمت کے نام سے معروف تھی، تاریخ بتاتی ہے کہ اس میں نصف ملین کتابیں تھیں، جس کو کون سی زمین، یا کون سا آسمان نگل گیا، اس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے یہ دردانگیز اشعار اپنے اندر بڑی معنویت رکھتے ہیں:

حکومت کا تو کیا رونا، کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

ایک تاریخی پروپیگنڈہ!

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اگر یہ ساری کتابیں جلادی گئی تھیں، یا دریائے دجلہ میں بہادی گئی تھیں، جیسا کہ تاریخ کا بیان ہے، تو ڈاکٹر اقبال کو یورپ کی لائبریریوں میں اپنے آباء کی وہ کتابیں کہاں



سے نظر آ گئیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی پروپیگنڈہ ہے، ان ساری تحقیقات، علمی تجربات اور سائنسی اکتشافات کا سہرا یورپ کے سر باندھنے کے لیے! اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس طرح کی خیانتیں انگریز تہذیب میں معیوب نہیں!

تاریخ انسانیت کی یہ کیسی عجیب وغریب کہانی ہے، کہ مسلم امت نے اس گلشن انسانیت کو بنانے سنوارنے میں اپنا سب کچھ لگا دیا، اپنی بے حساب قربانیوں اور سرفروشیوں سے انسانی دنیا کو علم وتمدن کی بلندیوں سے آشنا کیا، پھر ہوا یہ کہ ان شاندار کارناموں کا تاج اس کے سر سے اتار کر دوسروں کے سروں پر رکھ دیا گیا!

مگر اس میں اغیار کا جتنا قصور ہے، اس سے کہیں زیادہ قصور خود اپنا، یا اپنی حکومتوں اور حکمرانوں کا ہے، لہذا اغیار کو ہم کیا ملامت کریں؟ اور کس منہ سے کریں؟

یہ ایک حقیقت ہے، کہ عباسی دور حکومت میں مسلم حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشی سے عالم اسلام پر یونانی لٹریچر کی زبردست یلغار ہوئی، جس نے امت اسلام کی علمی اور فکری بنیادیں ہلا کر رکھ دیں!

اس یلغار کا نتیجہ یہ ہوا کہ دل ودماغ میں قرآن پاک کی جو روشنی دمک رہی تھی، دھیرے دھیرے وہ نہایت مدّہم پڑ گئی، فرزندان اسلام کے سوچنے سمجھنے کے انداز بالکل بدل گئے، وہ ان افکار اور ان مسائل میں الجھ گئے، جو عقل مسلم کے لیے کسی کینسر سے کم خطرناک نہ تھے، چنانچہ رفتہ رفتہ عقل کی ساری زرخیزی اور صحت مندی ختم ہوگئی، ذہنوں پر بری طرح جمود کی کیفیت طاری ہوگئی، سینوں میں بلند ولولوں کی جو انگیٹھیاں دہک رہی تھیں، وہ بجھ کر رہ گئیں!

اس طرح وہ امت جس کی ایک زمانے سے سارے عالم میں دھوم مچی ہوئی تھی، دیکھتے دیکھتے منظر سے غائب ہوگئی! اور اس طرح غائب ہوئی، کہ پھر دوبارہ اسے ابھرنا نصیب نہ ہوا!

اتنا ہی نہیں کہ وہ منظر سے غائب ہوگئی، بلکہ اس کی سیکڑوں سالہ شاندار تاریخ بھی اندھیرے میں چلی گئی، یا یوں کہہ لیجیے کہ وہ دوسروں کی جھولی میں چلی گئی!

ایک مؤرخ کے احساسات:

آج جب ہم اس مسلم امت کے بارے میں ایک انگریز مؤرخ جوزیف ماک کیب کا یہ تاثر پڑھتے ہیں:

’’آج تک کسی ایسی قوم پر سورج طلوع نہیں ہوا جو اسپین کے عرب مسلمانوں سے بڑھ کر ہو، اس دنیا میں اب تک کوئی ایسی قوم نہیں آئی جس کی زندگی ان سے زیادہ پاکیزہ ہو، جس کے اندر جمالیات کا ان سے زیادہ بلند ذوق ہو، اور جس کے اندر بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کا ان سے زیادہ حوصلہ اور سلیقہ ہو۔

وہ مزید لکھتا ہے: اسپین کے عرب اگر پورے یورپ کو فتح کر لینے میں کامیاب ہوجاتے، اور وہاں وہ لوگ دو سو سال رہ لیتے، اور اپنے شہر بسا لیتے، جس طرح انہوں نے اسپین میں کیا، تو ترقی کے جس مقام تک اِس وقت ہم پہنچ سکے ہیں، آج اُس سے پانچ سو سال ہم آگے ہوتے!‘‘ (مدنیۃ المسلمین فی اسبانیا۔ جوزیف ماک کیب)

آج جب ہم اس مسلم امت کے بارے میں جوزیف ماک کیب کا یہ تجزیہ پڑھتے ہیں، پھر امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال دیکھتے ہیں، تو بے اختیار شاعر اسلام ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر ذہن میں گونجنے لگتا ہے:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم وتمدن کی سب سے اونچی چوٹی پر بسیرا کرنے والی قوم اس طرح پستیوں میں کیونکر لڑھک گئی، اور لڑھکی بھی تو اس طرح کہ اسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا؟



زوال امت کا بنیادی سبب:

اس کا جواب بالکل واضح ہے،اس امت کی تمام علمی فتوحات، اس کی تمام فکری پیش قدمیاں اور عقلی ترقیاں قرآن پاک کی ہی مرہون منت تھیں،قرآن پاک نہیں تھا،تو اس امت کا کہیں نام ونشان نہیں تھا،قرآن پاک ہی سے یہ امت وجود میں آئی،اور جب تک اس کے دل ودماغ ،اور اس کی رگ وپے میں قرآنی بجلیاں دوڑتی رہیں، یہ امت دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی رہی،اور علم وتمدن کی دنیاؤں پر حکومت کرتی رہی،مگر جب اس نے اپنا قبلہ بدل دیا،اور قرآن پاک سے رخ موڑ کر دوسری چیزوں میں لگ گئی،تو بلندیوں سے پستیوں کی طرف لڑھکنے میں اسے کوئی دیر نہیں لگی۔

اور مسلم امت کا بلندیوں سے پستیوں کی طرف لڑھکنا، خالی اس امت کا لڑھکنا نہ تھا، بلکہ یہ پوری انسانی برادری کا لڑھکنا تھا، یہ علم وتمدن اور سائنس کی دنیا کا انقلاب تھا، یہ انقلاب ترقی اور بلندی کی طرف لے جانے والا انقلاب نہ تھا، بلکہ زوال اور پستی کی طرف لڑھکانے والا انقلاب تھا !

یہ بات پہلے آچکی ہے، کہ سائنس مسلم امت کی ایجاد ہے،اور مسلم امت نے اس میدان میں جتنی بھی ترقیاں کیں، وہ سب قرآن پاک کا ہی فیض تھیں، چنانچہ جب تک سائنس اور قرآن پاک کا یہ گہرا رشتہ باقی رہا،اور وہ خداترس ہاتھوں میں پروان چڑھتی رہی ، انسانوں کے لیے رحمت بنی رہی،مگر جب وہ خداترس ہاتھوں سے نکل کر دوسرے ہاتھوں میں آگئی، جب اسے اس کے سرچشمۂ اول یعنی قرآن پاک سے کاٹ دیا گیا،اور اسے گھٹیا مقاصد کے لیے استعمال کیا جانے لگا،تو صورت حال بالکل بدل گئی۔

وہ صورت حال آج سب کے سامنے ہے،وہ سائنسی علوم جنہیں مسلم امت نے دریافت کیا تھا انسانوں کی راحت اور ترقی کے لیے، یا دوسرے لفظوں میں اس زمین پر خلافت الٰہی کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے، آج وہی علوم انسانوں کے امن وسکون کو چیلنج کر رہے ہیں، وہ دنیا کی ہمہ گیر تباہی وبربادی کی دھمکی دے رہے ہیں !

آج انہی سائنسی ترقیوں کی بدولت دنیا جہنم کا ایک ٹکڑا بن گئی ہے،اور انسانیت سکون کا ایک سانس لینے کے لیے ترس رہی ہے !

حالات حاضرہ کی پکار!

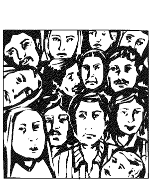
آج دنیا کے بگڑے ہوئے حالات خود پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، کہ انسانو! ہوش میں آجاؤ،اس کائنات کے خالق ومالک سے بغاوت کرکے،اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب سے دشمنی کرکے تم کبھی سکون نہیں پاسکتے، نہ اس زندگی میں سکون پا سکتے ہو، نہ اس زندگی کے بعد آنے والی دوسری زندگی میں۔

تمہارا علم وتمدن اس وقت تک تمہارے لیے باعث خیر ورحمت نہیں بن سکتا، جب تک تم اسے کتاب الٰہی سے ہم آہنگ نہ کرو۔

تم اگر عقل کے علم بردار ہو،تو تمہارے رب نے تمہیں عقل دی ہی اس لیے ہے، کہ تم اس کی قدر کرو،اور اس کی روشنی سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ،مگر اس سے ہشیار رہو، کہ شیطان تمہاری عقل کو ہائی جیک نہ کرلے!

شیطان تمہارا دشمن ہے،کبھی اس کی دوستی کے دھوکے میں نہ آنا،شیطان کے حملوں سے اگر کوئی چیز تمہیں بچاسکتی ہے،تو وہ صرف تمہارے رب کی کتاب ہے، یہ کتاب تمہاری دنیا بھی بنادے گی، اور آخرت بھی سنوار دے گی۔

آج پوری دنیا کے دل دہلا دینے والے حالات، اور ہوش ربا حادثات اپنی خاموش زبان سے برابر یہ پیغام نشر کررہے ہیں، کاش سننے والے کان اس پیغام کو سن سکتے!



ڈائجسٹ

سیّد عاصم علی سبزواری
سینئر ایڈوکیٹ، میرٹھ

’علم اور عقل‘ قرآنِ حکیم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ عالمِ حقیقی ہے۔ اس کے پاس آسمانوں اور زمینوں کے خزانے ہیں ’’وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السّمٰوٰتِ وَالاَرضِ ‘‘ (المنافقون: 7) اور اِن خزانوں سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے ’’وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیءٍ مِّن عِلمِہٖ اِلَّا بِمَا شآءَ‘‘ (البقرۃ: 255)۔ عِلم تنہا اللہ تعالیٰ کی اِجارہ داری ہے جو ’’وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیءٍ ‘‘ کے تحت آتا ہے اور عقل، اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو ’’اِلَّا بِمَاشَآء‘‘ کے تحت انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ علم ہی وہ پہلا انعام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا ہوا۔ قُرآنِ کریم شاہد ہے، کہ انسان کو فرشتوں پر برتری ثابت کرنے کے لئے اس کو ’اسماءٗ یعنی چیزوں کے نام اور صفات کا علم، اللہ تعالیٰ نے عطا کیا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ انسان کا شرف فرشتوں پر علم ہی کی بِنا پر ہے۔ پھر اِس پر بھی غور کیجئے کہ انسان جو کُچھ جانتا ہے وہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس کو سکھایا ہے ’عَلَّمَ الاِ انسانَ مَالَم یَعلَم ‘ (العلق: 5) کہ اگر انسان کو یہ علم نہ دیا جاتا تو اُسکی کیفیت جانوروں ہی جیسی ہوتی یا اُس سے بھی بدتر۔ علم ایک خزانہ ہے جو باری تعالیٰ کی صفت ہے، اس صفت کا مَظہر کائنات ہے اور اِس خزانے سے استفادہ کرنے کی کُنجی ’عقل‘ ہے۔

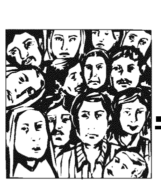
عقل کی کارکردگی کا اظہار ان نشانیوں کو سمجھنے کیلئے ہوتا ہے جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور جن کا ذکر قُرآنِ کریم میں آیا ہے، اب ذرا اِس پر بھی غور کر لیجئے کہ جب عقل اپنا فریضہ انجام دیتی ہے تو قُرآنِ کریم اِس کے اِس استعمال کو کِن کِن اصطلاحوں سے یاد کرتا ہے۔ کہیں اِن لوگوں کو ’’ یَعقِلُون ‘‘ سے یاد کیا گیا ہے جیسے سورۃ البقرہ کی آیت 164 میں ’’اِنَّ فِی خَلقِ السّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاختِلَافِ الَّیلِ وَ النَّھَارِ وَالفُلكِ الَّتِی تَجرِی فِی البَحرِ بِمَا یَنفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنزَل اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِن مَّاءٍ فَاَحیَا بِہِ الارَضَ بَعدَمَوتِھَا وَ بَثَّ فِیھَا مِن کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصرِیفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ المُسَخَّرِ بَینَ السَّمَآءِ وَالاَرضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَو مٍ یّعَقِلُون‘‘۔ کہیں عقل کے اسی عمل کو ’یتفکرون‘ کہا گیا جیسا سورہ آل عمران کی آیات 190۔191 میں جو زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے باری باری آنے میں، اُن ہوش مندوں کیلئے نشاندہی ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں‘۔ پھر کہیں اس کے لیئے ’یفقھون‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت نمبر 65 میں قُل ھُوَالقَادِرُ عَلیٰ اَن یَّبعَثَ عَلَیکُم عَذابًا مِّن فَوقِکُم اَومِن تَحتِ ار جُلِکُم اَو یَلبِسَکُم شِیَعًا وَّ یُذِیقَ بَعضَکُم بَأسَ بَعضٍ ط اُنظُر کَیفَ نُصَرِّفُ الاٰیٰتِ لَعَلَّھُم یَفقَھُون ۔ ’دنیا کی یہ زندگی (جس کے نشہ میں مست ہو کر تم ہماری نشانیوں سے غفلت برت رہے ہو) اِس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار جِسے آدمی اور جانور سب کھاتے ہیں خوب گھنی ہوگئی۔ پھر عین اُس وقت جب کہ زمین



اپنی بہار پر تھی، اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں اور اُنکے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم اُن کا فائدہ اُٹھانے پر قادر ہیں، رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے اُسے ایسا غارت کر دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں' اور اسی طرح ہم نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیئے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں، کہیں عقل کے اِس عمل کو 'یتــدبــرون' کہا گیا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت 82 میں ارشادِ بارتعالیٰ ہے کہ 'کیا یہ لوگ قُرآن پر غور نہیں کرتے؟' اگر یہ اللہ کے سِوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اِس میں بہت کُچھ اِختلاف بیانی ہوتی' (افلا یتدبّرون)۔ کہیں نصیحت قبول کرنے کو 'یتــذکرون' کہا۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت 221 میں۔ وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ 'توقع ہے وہ نصیحت سے سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے' 'لعلّھم یتذکرون'۔ کہیں 'اولـم یروا' کہکر، ہمیں غور کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ جیسے 'کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اور اسکا دائرہ ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آتے ہیں' (الرعد:41)۔ اسی آیت کو سورۃ الانبیاء کی آیت 44 میں 'افـلا یَـرَونَ' کہہ کر دہرایا گیا ہے کہ 'کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو مُختلف سمتوں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں۔ پھر کیا وہ غالب آ جائیں گے'۔ اِس طرح کلام الٰہی میں جہاں جہاں 'یعقلون، یتفکرون، یتدبرون، یتذکرون، یفقھون یا اَولم یروا' جیسی اصطلاحات استعمال کی گئیں ہیں یہ دراصل 'عقل' کے استعمال کے مختلف پہلو ہیں۔

اب ذرا ایک اور حقیقت پر غور فرمائیں! حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ خانہ کعبہ کو پُرانی بُنیادوں پر دوبارہ تعمیر کر رہے ہیں۔ لیکن زبان پر یہ دعا جاری ہے 'رَبَّنَـا وَابعـث فِیھِم رَسُولًا مِّنھُم یَتلُو عَلَیھِم اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُھُمُ الکِتٰبَ وَالحِکمَۃَ وَیُزَکِّیھِم' (البقرۃ: 129)۔ یہاں ایک رسُول کی بعثت کی درخواست کی جا رہی ہے، جو اُنہیں میں کا ہو، جسکا کام اللہ کی آیت کی تِلاوت کرنا ہو، جو 'کتاب اور حکمت' کی تعلیم دیتا ہو اور وہ اُن کو پاک کرے۔ یہ دعا قبول ہوئی، اور محمدؐ بن عبداللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسُول متعین کیا۔ جہاں تک اِس رسُول کے 'اُن ہی میں کا' ہونے کا تعلق ہے، وہ نبی مکرمؐ، اسی زمین میں پیدا ہوئے۔ جہاں یہ دعا مانگی گئی تھی۔ جہاں تک آیات ربّانی کی تلاوت اُس رسُول کے وظیفہ ہونے کی بات ہے، وہ ذمہ داری تو، آیات قُرآنی کو تلاوت کر کے لوگوں تک پہنچانے سے پوری ہو جاتی ہے۔ جہاں تک کتاب کی تعلیم کا تعلق ہے تو اس رسُولِ مکرمؐ نے کتاب کی تعلیم کتاب کو پہنچا کر، اس کی تفسیر بیان کر کے اور اِس کتاب کے مطابق پوری زندگی گذار کر اس کتاب پر عمل کرنے کا نمونہ بھی قوم کو پیش کر دیا۔ جہاں تک لوگوں کو پاک کرنے تعلق ہے، تو خود قُرآنِ کریم نے جسمانی اور روحانی ناپاکیوں سے اور خاص کر شِرک کی گندگی سے بچنے کے طریقے واضح کر دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ چیزیں کھانے سے انسان کے اخلاق پر کیا کیا مُضِر اثرات پیدا ہوتے ہیں اِسکی بھی نشادہی کر دی گئی ہے۔

لیکن 'حکمت' کیا چیز ہے؟ اور کیسے وجود میں آتی ہے؟ اہلِ لُغت نے اس 'حِکمت' کی تعریف اِس طرح کی ہے۔ 'علم اور عقل کے ذریعہ بات کو جاننے کا نام حکمت ہے'' (لغات القرآن، عبدالرشید نعمانیؒ)۔ غلام احمد صاحب پرویزؒ اِسکی توضیح کرتے ہوئے معارف القرآن، جلد اول کے صفہ 464 پر یوں رقم طراز ہیں: ''حِکمت کے عام معنی دانائی اور عدل و انصاف کے ہیں۔ جب یہ لفظ انسان کی طرف منسوب ہوگا تو اس کے معنی ہونگے 'علم اور عقل کے مطابق اشیاء کی حقیقت تک پہنچنا'، لیکن جب یہی لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا، تو اس کے معنی میں ایک مخصوص وُسعت پیدا ہو جائیگی۔ خدائے حکیم کے معنی ہونگے وہ ذات جو تمام امور کے فیصلے حق کے مطابق کرتی ہے اور جس کے ہر فعل میں عدل، انصاف، دانائی اور تدبُر پایا جائے۔ جناب امین احسن صاحب اصلاحیؒ تدبر القرآن کی جلد اوّل کے صفحہ 341 پر حکمت کی تفسیر پہلے جناب فراہیؒ کے اِس قول سے کرتے ہیں جو موصوف نے اپنی کتاب 'مفردات



القرآن' میں فرمائی ہے جسکا ضروری حصہ حسب ذیل ہے:

''رہی حکمت تو وہ تعبیر ہے اس قوت وصلاحیت کی جس سے اِنسان معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرتا ہے''۔ اہل عرب حکمت کا لفظ اِنسان کی اِس قوت وصلاحیت کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل ورائے کی پختگی اور شرافت واخلاق کی جامع ہوتی ہے۔ چنانچہ دانشمند اور مہذب آدمی کو حکیم کہا جاتا ہے۔ اور جو بات عقل اور دِل دونوں کے نزدیک بالکل واضح ہو اِس کو حِکمت سے تعبیر کرتے ہیں''۔

جناب امین احسن صاحب اصلاحیؒ اِس کے بعد خود اپنی رائے سورۃ البقرہ کی آیت 129 کی تفسیر کے دوران اس اصطلاح کی تشریح اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں'' حکمت کا ذکر یہاں کِتاب کے ساتھ اس بات پر دلیل ہے کہ تعلیمِ حکمت، تعلیمِ کتاب سے ایک زائد شئے ہے۔ اگرچہ یہ حکمت سراسر قُرآنِ کریم ہی سے ماخوذ و مستنبط ہو۔ یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حِکمت چونکہ حکیمانہ بات کو بھی کہتے ہیں اور حکیمانہ بات کہنے کی صلاحیت کو بھی۔ اِس وجہ سے تعلیمِ حکمت کی معنی جس طرح کِسی کو کوئی حکیمانہ بات بتا دینے کے ہیں اسی طرح اس کے معنی لوگوں کے اندر حکمت کی صفت وصلاحیت پیدا کرنے کے بھی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ کی آیت 231 میں بھی کتاب اور حکمت کو 2، الگ الگ چیزیں گردانتا ہے۔ آیت کے الفاظ اِس طرح ہیں: '' وَمَآ اَنزَلَ عَلَیکُم مِّنَ الکِتٰبِ وَالحِکمَةِ یَعِظُکُم بِهٖ ط وَاتَّقُو اللّٰهَ وَاعلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیم '' جس سے یہ نتیجہ آخذ کیا جا سکتا ہے کہ آیت 129 میں تعلیم کے ساتھ کتاب اور حکمت کے یکجا استعمال سے یہ تو واضح ہوتا ہے کہ کتاب اور حکمت الگ الگ چیزیں ہیں لیکن کتاب کے ساتھ حکمت کو بیان فرمانے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ نبی اس حکمت کی بھی تعلیم دے جو علم اور عقل کے ایک ساتھ استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح اِن دونوں الفاظ کی بے پناہ اہمیت ہے جبھی تو نبی آخرالزماںؐ کے فریضہ میں ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے۔

عالمِ حقیقی نے ایک جانب مصحف کائنات کو حصول علم کا ذریعہ بتایا اور ساتھ ہی حصولِ معلومات کے ایک دوسرے ذریعہ کی طرف بھی واضح اشارہ کر دیا ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ 'ما اٰتٰکُم الرسُولُ فخذوہُ ......'' (الحشر: 7) ترجمہ: 'جو چیز تم کو رسُول دیں اُسکو اپنا لو اور جس سے وہ تمہیں روکیں رُک جاؤ'۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ تصدیق بھی فرمادی یہ رسُول خود اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ جو کُچھ اُس کو وحی کے ذریعہ ہدایت کی جاتی ہے وہی تم کو بتاتا ہے۔ اور اِس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی کردی کہ'' اور اگر اِس (نبی) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم پکڑ لیتے اُس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اُس کی رگ گردن'' (الحاقہ: 44 تا 46)۔ اِسی نبی مُکرم کا اِرشاد ہے کہ'' أول ما خلق العقل'' سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کی تخلیق فرمائی (احیاء العوم، اُردو، جلد سوئم صفحہ 18) اور اسی نبی مُکرم کا ارشاد ہے 'اطلب العلم لو کان بالثریا '' (المنتقی لابن الجارود۔ الدعوات ،مطبوعہ قاہرا)۔ اس طرح کائنات پر غور کرنا ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ پھر قُرآنِ کریم نے علم کے بے پناہ خزانے کے متعلق ہم کو یہ بھی بتا دیا کہ'' اگر ساری دنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سارے سمندر روشنائی اور پھر اتنے ہی سمندر اور روشنائی بن جائیں تب بھی ہماری نشانیاں قلم بند نہیں کی جا سکتیں'' (لقمان: 37)۔

حکمت کی اِس تشرح کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ 'علم اور عقل' ہی وہ دو عناصر ہیں جن کے عمل سے وہ دانائی پیدا ہوتی ہے جِسکا پیدا کرنا نبی آخرالزماںؐ کے فرائضِ منصبی میں شامل کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں واضح رہے کہ خود نبوّت بھی مرتبہِ 'علم' ہی ہے۔ نبی اپنے دور کا سب سے بڑا 'عالم' ہوتا ہے۔ جِسے خود باری تعالیٰ علم سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور اسی واسطے دنیا کے آخری نبیؐ کا یہ وظیفہ بتایا گیا کہ وہ امت کو کتاب کا علم بھی سکھائے اور اُن کو حکمت کی بھی تعلیم دے۔



ڈائجسٹ

قُرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ ''عنقریب ہم تم کو اپنی نشانیاں آفاق اور خود تمہاری اپنی ذات میں دکھلائیں گے تا کہ تم پر کامل طور پر واضح ہو جائے کہ حق وہی ہے''۔ اس وعدہ کا ایفا جس قدر پچھلی دو صدیوں میں ہوا ہے اِس سے قبل کی بارہ صدیوں میں نہیں ہوا تھا۔ کُرّہ ارض کے کُل رقبہ کا 29 فی صد خشکی اور 71 فی صد پانی ہے۔ 1830ء تک انسان کو کرہ ارض کی خشکی ہی کا علم تھا، انسان سمندر کی گہرائی میں اُتنی ہی دور تک جا سکتا تھا، جہاں تک وہ ایک سانس میں غوطہ مار کر سمندر کی تہہ سے موتیوں کی سیپیاں نکال سکتا تھا۔

واضح ہو کہ سمندر کی گہرائی رفتہ رفتہ بڑھتی ہے اور پھر دفعتاً گہری ہو جاتی ہے کہ اگر اس کی گہری سطح پر ہمالیہ کی چوٹی، ایورسٹ (جسکی اونچائی 29035 فُٹ ہے) کھڑی کر دی جائے تو ایورسٹ کی چوٹی سطح سمندر سے ایک ہزار فُٹ سے بھی زیادہ نیچی ہی رہے گی۔ 1830ء میں انسان کو وہ علم حاصل ہوا کہ جس کے سبب لوہے کا ایک صندوق بنا کر سمندر کی گہرائی میں دور تک اُتارا جا سکتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اِس کے علم میں اضافہ ہوتا گیا اور اِس طرح اُس کے علم میں سمندر کی مُختلف گہرایوں کی حقیقت مُنکشف ہوتی گئی۔ جسکی بنا پر سب میرین پن ڈُبی بنائی جا سکی، جسکے ذریعہ وہ سمندر کی گہرائی تک جا کر وہاں کی کیفیات کا خود مُشاہدہ کر سکا۔ اور اُن حقائق کی تصدیق کر سکا کہ جن کا ذکر سورۃ النور کی آیت 39 میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یعنی یہ کہ ''سمندر میں اور اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک اور موج اور اسکے اوپر بادل تاریکی پر تاریکی مسلط ہے۔ آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے'' اس اندھیرے کی نشاندہی باری تعالیٰ نے اپنے کلام میں کر دی تھی۔ لیکن اُن حقائق کی تصدیق اِنسان، اب سے قبل تک نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ اس پوزیشن میں ہی نہیں تھا کہ اِس کے بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا۔

کرّہ ارض کی خشکی اور تری کا علم عطا کئے جانے کے بعد ہم کو 1957ء میں زمین کی قوّت ثِقل کا مقابلہ کرنے کا وہ علم عطا کیا گیا، کہ اگر ہم اتنی قوت فراہم کر سکیں جس سے اپنی سواری کو ایک گھنٹہ میں 26 ہزار میل آگے بڑھا سکیں، تو اتنی قوت سے جب ہم فضاءِ آسمانی کی طرف اپنے راکٹ رسیٹالائٹ کو روانہ کرنا چاہیں گے تو زمین کی قوت کشش پر حاوی ہو سکیں گے۔ اِس علم کے حصول کے بعد، انسان فضاءِ آسمانی کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ اور روس کا پہلا خلائی جہاز اسپُتنک نمبر ایک، فضاء میں زمین کے گرد ایک مدار میں جانے میں کامیاب ہو سکا۔ واضح رہے کہ سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے جِنوں اور انسانوں کو چیلنج کیا تھا، کہ اگر تمہارے بس کا ہو تو ذرا، زمین اور آسمانوں کی قطار سے نکل کر دیکھا دو! اور خود ہی یہ بھی ارشاد فرما دیا تھا کہ 'لا ینفذون اِلّا بسلطان' یعنی ایک مخصوص طاقت کے حصول کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو 1957ء میں اُس مخصوص طاقت کا گُر سمجھا دیا تو اب وہ زمین کی کشش ثقل کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور اُسکے بعد انسان 36 ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنے راکٹ فضاء میں داغ کر اُن بُلندیوں تک کا علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ انسان کے بنائے ہوئے اب کُچھ سیٹالائٹ اتنی دور جا چکے ہیں کی وہ، اربوں میل دور سے زمین کو برقی پیغامات بھیج رہے ہیں۔ اور ان سیٹالائٹ کے یہ پیغامات 86،300، امیل فی سیکنڈ کا سفر طے کرتے ہوئے ہماری زمین پر پہنچ رہے ہیں، پھر بھی اِس فاصلہ کو طے کرنے میں اُن پیغامات کو تقریباً 5 سے 6 گھنٹے لگ جاتے ہیں، اس سے اُن سیٹالائٹ کی دوری اور بُلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہماری زمین سے کتنی دور جا چکے ہیں۔ اور پھر بُلندیوں پر پہنچ کر جب اُس نے زمین کا نظارہ کیا تو اِسکو زمین کا منظر ہی کُچھ اور نظر آنے لگا۔ اب وہ فضاء کی بُلندیوں سے کرّہ ارض کو بیک وقت دیکھ بھی سکتا تھا اور اس کا فوٹو بھی لے سکتا تھا تب کرّہ ارض کا وہ نقشہ جو، اب سے 400 برس قبل دنیا کے بہترین جغرافیہ دانوں نے مل کر بنایا تھا، وہ اب بچوں کا کھیل لگنے لگا ہے۔ اور اِس کامیابی کے بعد انسان کی عقل نے پیائش کے وہ نفیس آلات بھی بنا لئے کہ جن کی مدد سے اب وہ ناپ سکا کہ ایک صدی میں



زمین کا قُطر (ڈائمیٹر) 4 سے 5 سینٹی میٹر تک کم ہو رہا ہے اس حقیقت کو رُوس کی چھپی ہوئی جُغرافیہ کی ایک کِتاب جس کا عنوان ہے (The Changing Face of The Earth By: Progress Publishers, Moscow, Page 197 , Basic Data on Earth and The Geosphere) میں واضح کر سکا۔

1995ء میں یہ بھی معلوم ہو سکا کی ہر سال چاند ہم سے قریب ۵ سینٹی میٹر دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تب انسان کی سمجھ میں آیا کہ 'ننقص الارض' کا مطلب ایک حقیقت کا ظہار ہے۔ اور اب تک اِس آیت کا جو مطلب سمجھا تھا یعنی یہ کہ تمہارے مُخالفین کو نظر نہیں آ رہا کہ اسلام کا اثر سرزمینِ عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیلتا چلا جا رہا ہے اور چاروں طرف سے اِس پر حلقہ تنگ ہوتا چلا جاتا ہے (حاشیہ نمبر 60 تفہیم القرآن، سورۃ الرعد)۔ وہ درست نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ واقعی اپنی قدرت سے ہمارے کرّہ ارض کو چاروں طرف سے سُکیڑ رہا ہے جس کے نتیجہ میں ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی بھی 1957ء سے 2007ء تک 29028 فُٹ کی جگہ 29035 ہو گئی ہے۔

اِس طرح انسان کے علم میں خشکی کی 29 فیصدی کی جگہ فضاء کی بے پناہ بُلندیوں نے اضافہ کیا ہے۔ اور اب اس کے مطالعہ اور غور و فکر کے لیئے ایک 600 صفحات پر مُشتمل کتاب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ بے پناہ وُسعت اور بے شمار وسعتوں پر مُشتمل کتاب کائنات میں اللہ کی قدرت کی پھیلی ہوئی نشانیاں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کُچھ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کی دین ہے لیکن اس کے لئے حکمتوں کو جاننے ہم کو عقل ہی کا سہارا لینا ہوگا۔ بغیر عقل کے استعمال کے ہم کِتابِ فطرت کو پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ اور اس طرح، علم اور عقل کے مشترکہ استعمال سے کتابِ فطرت کو پڑھنے کیلیئے انسان کو دعوت دیجا رہی ہے کہ دیکھو اور غور کرو کہ ہم نے اِس پوری کائنات میں کیا کیا عجائب اور اِشارے رکھے ہیں؟

اگر ایک طرف علم کی بہتات کا یہ عالم ہے تو، دوسری طرف عقل کو عطا کردہ وہ بلوغ بھی قابلِ غور ہے، جو نبی مُکرمؐ کے دور مُبارک سے شروع ہو کر آج تک عجیب و غریب بلندیوں تک پہنچ گیا ہے۔ حضورِ اقدسؐ کے دور سے قبل تک، عقل کی ربوبیت اگر چہ شروع ہی سے قائم تھی، لیکن اِس دور میں نازل شدہ آسمانی کتابوں میں کسی ایک جگہ بھی، ایسا نہیں ہے کہ انسان کو خود اپنی ذات یا کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہو۔ عقل کی ربوبیت ہوتے ہوتے دورِ محمدیؐ اب اتنا بالغ ہو گیا تھا کہ قُرآنِ کریم میں جگہ جگہ ہم کو اپنی عقل کے ذریعہ غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور خود، نبی مُکرمؐ سے یوں کہا جا رہا ہے، کہ ہم سے یوں دعا مانگو ''ربِّ زِدنی عِلما'' اور دوسری طرف ہماری نئی نسل کے بچوں کی عقل کو اس قدر تیز کر دیا گیا کہ آج کے بچے بڑوں سے وہ وہ سوالات کر رہے ہیں کہ بڑے بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جائیں۔

کراچی پاکستان میں میری ایک پوتی شاذیہ نے 2001ء میں بارہ سال کی کم عمر میں امریکہ کے ایک امتحان 'مائکروسوفٹ سرٹیفائیڈ انجینیر' کے امتحان میں ایک لاکھ چالیس ہزار شرکاء میں سے سب سے کم عمر میں اس امتحان کو پاس کرنے کا ایک عالمی رِکارڈ قائم کر دیا۔ میں گذشتہ دس سال سے کمپیوٹر کا مالک ہوں لیکن میں آج تک کمپیوٹر آپریٹ کرنے کا اہل نہ بن سکا! جبکہ میری پوتیاں بلا تکلف اسکو آپریٹ کرتی ہیں۔ یہ مثالیں اِس بات کو سمجھانے کے لئے کافی ہیں کہ نئی نسل کے دماغ کو بھی اللہ تعالیٰ نے وہ صلاحیتیں عطا کی ہیں کہ بڑے تو اُنکا مُنہ دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟

قُرآنِ کریم گلابوں کے پھولوں کا ایک باغیچہ ہے۔ اس میں کُچھ پھول کھلے ہوئے ہیں اور کُچھ کلیاں ہیں۔ ان کلیوں کی پنکھڑیاں نسیمِ سحر کے جھونکے ہی کھول سکتے ہیں۔ میرے علم میں انسان کو ابھی تک وہ علم حاصل نہیں ہو سکا کہ گلاب کی ایک کلی کی پنکھڑیوں کو وقت سے پہلے خود اپنی طاقت سے کھول سکے۔ ٹھیک اُسی طرح قُرآنِ کریم میں واضح احکام کے ساتھ ساتھ کلیوں میں پوشیدہ وہ رموز بھی ہیں جن کو کوئی بھی شخص وقت سے پہلے نہیں سمجھ سکتا۔ غالبًا یہی



پہلو ہے جو قُرآنِ کریم کی سورۃ انشقاق کی آیت 19 ''لتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَق'' سے نکلتا ہے۔ خود باری تعالیٰ اپنے علم ازل کی پرتوں کو ایک ایک کر کے کھولتے ہیں اور اُن پرتوں میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ اُس دور میں پیش آمدہ مسائل اور مُشکلات کا حل ہیں۔ لیکن یہ حل انسان کو عقل کا استعمال کر کے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اُس کی ایک مثال سورۃ الرعد کی آیت نمبر 41 ہے ''اولم یروا أنّا ناتی الارض ننقصُها من أطرافِها'' ترجمہ: 'کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں' سے دی جاچکی ہے۔

اسی طرح جب انسان کو سمندر کی گہرائیوں میں اُتر کر وہاں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کے مشاہدوں کی توفیق نصیب ہوئی اور اس سے قبل اسکو یہ علم دیا جا سکا کہ روشنی جب سطح پر پڑتی ہے تو اسکے سات اجزا رفتہ رفتہ پانی میں جذب ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ 650 فٹ کی گہرائی کے بعد گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ اب اِس کی سمجھ میں آسکا کہ اللہ تعالیٰ نے خود نور السمٰوات کہنے کے بعد کافروں کے اعمال کی مثال اس گہرے اندھیرے سے کیوں دی ہے۔ کہ اندھیرے کے اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اور اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر ایک بادل، تاریکی پر تاریکی مُسلط ہے۔ کہ آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے اور یہ مثال کس قدر مبنی بر حقیقت ہے۔

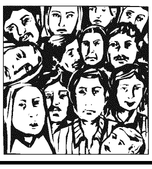
اسی طرح پہلے انسان کو یہ علم عطا کیا گیا کہ کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے کس قدر انرجی کی ضرورت ہے پھر عقل کے ذریعہ یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ آئرن (لوہے) کے ایک ایٹم کو وجود میں لانے کے لئے فضا میں موجود انرجی سے چار درجہ زائد انرجی کی ضرورت تھی تب یہ نتیجہ نکالا گیا کہ آئرن اس زمین کی پیداوار نہیں ہوسکتا! یہ تو کہیں باہر ہی سے نازل ہوا ہے۔ تب قُرآنِ کریم کی سورۃ الحدید کی آیت 25 کو سمجھا جاسکا ''أنزلنا الحدید ...'' ترجمہ: 'اور لوہا ہم نے اتارا زمین میں...'۔

اسی طرح پہلے انسان کو یہ علم عطا کیا گیا کہ روشنی جب پانی اور ہوا جیسی شفاف سطح سے گذرتی ہے یا کرہ نما شیشہ یا جلتے ہوئے مقام سے گذرتی ہے تو اسکا زاویہ انعطاف (Angle of refrection) کیا ہوتا ہے۔ اور اسی اصول کے تحت انسان کی عقل نے وہ شیشہ بنایا جس کو ہم آتشی شیشہ یا میگنِفائنگ گلاس کے نام سے جانتے ہیں۔ اور پھر اسی اصول کی بِنا پر دور بین اور خورد بین جیسی کار آمد چیزیں بنائی گئیں۔

اِن اصولوں کے دریافت ہونے کے بعد ہی کیمرہ کا بلیک باکس بن سکا۔ جس سے ہم مختلف مناظر کو اپنے کیمرہ میں قید کر لیتے ہیں۔ اور تب فضاء اسمانی میں تیرتے ہوئے سیارگان کی تصوریں بھی کھینچی جاسکیں۔ اور اُنکے درمیان جو توازن قائم ہے اسکا پتا لگایا جاسکا اسی طرح خورد بین (مائکروسکوپ) کے ذریعہ ایک ایٹم کے مرکز اور اُسکے گرد گھومتے الکٹرونس کا بھی پتا چلا اور اِن کے درمیان جو بیلنس ہے اسکو بھی جانا جاسکا۔ پھر اس خورد بین کے ذریعہ انسان کے جسم کے بنیادی خلیے (Cell) کی اندرونی ساخت جانی جاسکی۔ اس سے قبل یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سیل کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا لیکن جب طاقتور خورد بین کے ذریعہ اُس کا مطالعہ کیا گیا تو پتا چلا کہ اس سیل میں بھی اُس کا ایک مرکز ہے اور ایک محیط۔ اور محیط اور مرکز کے درمیان وہ مادہ ہے جس کو آر۔این۔اے کہا جاتا ہے۔ خود مرکز میں بھی 46 خانے ہیں جن کو کروموزوم کہا جاتا ہے۔ یہ کروموزوم بٹے ہوئے بان کی طرح ہیں اور یہ تعداد میں 23 جوڑے ہیں۔ ان 46 کروموزوم میں سے 23 وہ ہیں جن میں باپ کے اجداد کی خصوصیات بچے میں مُنتقل ہوئی ہیں یعنی باپ کے باپ۔ باپ کی ماں۔ ماں کے باپ وغیرہ وغیرہ کی صفات منتقل ہوتی ہیں اور باقی 23 کروموزوم میں ماں کے اجداد کی خصوصیات منتقل ہوتی ہیں۔ پھر کمال یہ ہے کہ ہر کروموزوم میں بیشمار جینس، جو چیونٹی کے انڈوں کی طرح چپکے ہوتے ہیں اور ہر جین ایک فرد کی ایک ایک ذاتی خصوصیات کا حامل ہے۔ یعنی یہ کہ انسان کے سر کے بال نرم ہوں گے یا سخت۔

گھونگریالے ہوں گے یا سیدھے۔ اُس کا قد کیا ہوگا، اُس کا رنگ کیا ہوگا، اُس کے جسم میں تِل کہاں کہاں ہونگے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اِس سے بھی قبل یہ بات کہ ایک کروموزوم میں جن صفات کی حامل جینس کی جو ترتیب (Order of Setting of Genes) ہے، وہی ترتیب سارے کروموزومس میں ہے۔ پیر کے انگوٹھے کے بال کی جینس کی ترتیب سر کے چوٹی کے بال کی جینز کی طرح سے ہے۔ پھر یہ کہ ہر جین اپنے ہی جسم کے دوسرے جین کو پہچانتا ہے جب کبھی کسی دوسرے جسم کا کوئی ایک سیل کسی دوسرے جسم میں داخل ہوتا ہے تو جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے اور جب تک وہ اِس خارجی کو ختم نہیں کر دیتا یہ جنگ جاری رہتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب ہم انسان کے دل یا گردوں کو کسی دوسرے جسم میں نصب یعنی پلانٹ کرتے ہیں تو بیرونی دِل یا گُردہ تھوڑے ہی دن کام کر پاتا ہے اور پھر انسان ختم ہو جاتا ہے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ ہمارے پاس انگریزی زبان کے 26 حروف ہیں۔ لیکن اِن حروف کو مُختلف انداز میں جوڑنے (کمپوز) کرنے سے آکسفورڈ کی زخیم ڈکشنری وجود میں آگئی۔ لیکن اگر ہمارے پاس ساٹھ ہزار حروف ہوں تو اِن حروف کو مُختلف طریقوں سے کمپوز کرنے سے ہم کِس قدر نئے انسان پیدا کر سکتے ہیں۔ واضح ہو کہ اب ایک انسان کے جسم میں موجود تعداد پر اتفاق ہو چُکا ہے کہ یہ تعداد تیس ہزار سے لیکر ساٹھ ہزار تک ہے۔ اس طرح پیدا کیئے جاسکنے والے انسانوں کی تعداد کا سراغ دنیا کا سب سے بڑا کمپیوٹر بھی مُشکل ہی سے لگائے گا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ہم کروموسوم نمبر 22 میں واقعہ جینز کے طرزِ ترتیب میں اس کے قد سے متعلق ایک جین کو رنگ سے متعلق جین کی جگہ رکھ دیں تو اس بدلی ہوئی ترتیب سے پیدا شُدہ انسان ایک دوسری شخصیت کا حامل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک نہ ہی دو انسان بعینہٖ ایک ہی شکل کے پیدا ہو سکے اور نہ ہی کسی بھی انسان کی ایک انگلی کے



ڈائجسٹ

ایک پور کے جال کی طرح کسی بھی دور کے دوسرے انسان کے پوروں کے جال میں وہ مماثلت نظر آئی۔ تب معلوم ہوا کہ ''یاَاَیُّھَا الاِنسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الکَرِیمِ ۙ الَّذِی خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۙ فِیٓ اَیِّ صُورَۃٍ مَّاشَآءَ رَکَّبَکَ'' کا کیا مطلب ہے اور اس حقیقت کا کیا راز ہے؟ اسی طرح جب انسان کو ناپنے کے بہترین آلات بنانے کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ کرّہ ارض کے چپے چپے کی بلندی کو سطح سمندر سے ناپ سکا تب اُس کی سمجھ میں آیا کہ سورۃ روم میں 'غلبت الروم فی ادنیٰ الارض' کا مطلب قریب کی سرزمین نہیں ہے بلکہ وہ زمین ہے۔ جو سطح سمندر سے بھی نیچی ہے اور کرّہ ارض کا سب سے نچلا مقام ہے یعنی وہ علاقہ جہاں بحرِ مردار (ڈیڈ سی) واقعہ ہے اور جہاں ایران اور روم کے درمیان وہ جنگ لڑی گئی تھی جس میں روم کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

سولھویں صدی سے اسپین کے جغرافیہ دانوں نے اس کرۂ ارض کی کھوج شروع کی تھی۔ انہوں نے رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور دن کے رات میں اور رات کے دن میں مدغم ہو جانے اور سردی گرمی کے آنے جانے کی اصل وجہ دریافت کی ہیں۔ اور سورج اور زمین کے مابین ایک دوسرے کے پلیسمینٹ میں غور کرنے کے بعد اس حقیقت کا علم حاصل کیا کہ اس سب کی وجہ یہ ہے کہ زمین کا شمال جنوب کا طول البلد اپنے محور پر بالکل سیدھا نہیں ہے بلکہ 231/2 ڈگری جھکا ہوا ہے اور اسی کیفیت میں زمین، سورج کے گرد طواف کر رہی ہے اور اسی باعث موسم میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ تب انسان سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم سجدہ: آیت 39 میں لفظ 'خاشعۃ' کیوں استعمال کیا ہے یعنی ''وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنَّکَ تَرَی الاَرضَ خَاشِعَۃً ...' ترجمہ: 'اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ زمین جھکی ہوئی ہے' اور اس باعث اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو اپنی ایک عظیم نشانی کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔



ڈائجسٹ

اِسی طرح انسان کو پہلے یہ علم دیا گیا کہ زمین اپنے محور پر قریب ایک ہزار میل گھنٹہ کی رفتار سے رقص کر رہی ہے اور سورج کے چاروں طرف 66ہزار 6 سو میل کی رفتار سے طواف بھی کر رہی ہے۔ پھر یہ نظامِ شمسی اپنی جگہ پر رقص بھی کر رہا ہے اور اپنے مرکز کے چاروں طرف طواف بھی کر رہا ہے۔ یہ نظامِ شمسی خود ایک بڑے نظام گیلکسی کا حصّہ ہے۔ پھر یہ گیلکسی ایک دوسرے بڑے نظام ہائے المجرّہ (Cluster of Galaxies) کا حصہ ہے اور ایسے ایسے کلسٹر آف گیلکسیز بے شمار ہیں اور یہ سب مل کر ایک طرف کو دوڑ رہے ہیں۔ اور ان کی رفتار ایک منٹ میں ایک لاکھ میل ہے لیکن ان سب رفتاروں کے باوجود اس زمین میں کوئی جھرجراہٹ محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی حرکت کا احساس۔ تب اندازہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد 'اَمَّن جَعَلَ الاَرضَ قَرَارَاً...' (النمل: 61) ترجمہ: 'کس نے زمین کو قرار یافتہ بنایا'۔

اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں۔ لیکن ان کا انکشاف اس طرح ہی ہوگا کہ پہلے انسان کو ایک حقیقت کا علم عطا ہوگا پھر اس علم کی بنیاد پر انسان کی عقل کام کرے گی۔ تب جا کر وہ کسی آیت قُرآنی میں چھُپی ہوئی حکمت کو جان سکے گا۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ: علم اللہ تعالیٰ کی اجارہ داری ہے اور عقل اللہ کا انسان کو عطیہ ہے اور قُرآنِ کریم کی حکمتوں کی سمجھنے کی کُنجی بھی۔

'وَلَا يُحِيطُونَ بِشَیْءٍ مِّن عِلمِہٖ اِلَّا بِمَاشَآء'



ڈائجسٹ

ایس، ایس، علی۔ اکولہ (مہاراشٹر)

منزل اب دور نہیں

کینسر کا نام سنتے ہی خوف کی ایک لہر سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ اسے ایک لا علاج مرض تصور کیا جاتا ہے۔ عام مشاہدہ بھی یہی ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس مرض کو لا علاج بنانے میں عوام کی لاعلمی اور لاپرواہی کو بڑا دخل ہے۔ ''علاج سے بہتر احتیاط ہے'' اس اصول کو نظر انداز کرتے رہنا اور خطرے کی گھنٹیوں کو خاطر میں نہ لانا اس مرض کو لا علاج بنا دیتا ہے۔ کینسر کے شروعاتی دور میں اس کا پتہ چل جائے اور مریض سنجیدگی کے ساتھ علاج پر کمر بستہ ہوجائے تو مکمل شفا بھی مل سکتی ہے۔

بہت ساری وجوہات کی بنا پر ساری دنیا میں کینسر کا پھیلاؤ ایک وبائی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ ہر سال 12.7 ملین لوگ اس مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ یہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو ریکارڈ پر آجاتے ہیں یعنی مختلف جانچوں کے بعد ان میں کینسر حتمی (Confirm) قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے پچھڑے علاقوں میں کینسر کی شناخت ہی نہیں ہو پاتی۔ ہر سال ان 12.7 ملین مریضوں میں سے 7 ملین مریض فوت ہوجاتے ہیں۔ ان دونوں اعداد پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختصر تعداد میں ہی سہی، مریض شفایاب بھی ہوتے ہیں۔ شفایاب ہونے والے مریضوں کا تناسب ترقی یافتہ ممالک میں زیادہ ہے۔ گذشتہ 20 سالوں کے دوران دنیا میں کینسر کے مریضوں کی تعداد دوگنی ہوئی ہے۔

ہمارے ملک میں یہ مرض ہر سال 11 فیصدی کی شرح سے بڑھ رہا ہے۔ 2001 میں یہاں کینسر کے مریضوں کی تعداد 8 لاکھ تھی جو بڑھ کر اب 25 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ یہاں ہر سال 4 لاکھ لوگ اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔

کینسر کے مریضوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر WHO, UN، دنیا کے بہت سے ممالک کی حکومتوں اور رضا کار اداروں نے UICC یعنی Union of International Cancer Control کی رہنمائی میں ہر سال 4 فروری کو عالمی یومِ کینسر یعنی World Cancer Day منانے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا عالمی یومِ کینسر (WCD) کا قیام 1933 میں جینیوا، سوئٹزرلینڈ میں عمل میں آیا۔ اب ہر سال 4 فروری کو WCD بڑے پیمانے پر منایا جاتا ہے۔ WCD کا مقصد کینسر کے خلاف لائحہ عمل تیار کرنا، اسے اپ ڈیٹ کرتے رہنا، عوام کو حقائق، تشخیص کے طور طریقوں، علاج اور احتیاطی تدابیر سے آگاہ کروانا ہے۔ دنیا کے 120 ممالک کے 470 ادارے اس پروگرام کے ممبر ہیں۔ WCD کی پہلی ترجیح کینسر میں مبتلا مریضوں کی جان بچانا اور انہیں راحت پہنچانا ہے۔ اس کے علاوہ مریضوں، ان کے قرابت داروں اور عوام کو کینسر سے متعلق

عالمی یومِ کینسر
4۔ فروری

تعلیم و تربیت بہم پہنچانا ہے۔ مرض کی علامات اور احتیاطی تدابیر پر زیادہ توجہ مرکوز کی جارہی ہے۔ عوام کو اس بات سے بھی آگاہ کیا جارہا ہے کہ کینسر دراصل ایک بڑے گروپ کا نام ہے جو 200 سے زیادہ انفرادی امراض پر مشتمل ہے۔ WCD کے ایجنڈے میں عوام میں کینسر سے متعلق آگاہی (Awareness) پیدا کرنا، صحت بخش غذا کے استعمال پر زور دینا، جسمانی کثرت (Exercise) پر توجہ دینا اور کینسر پیدا کرنے والے ماحولی عوامل کی جانکاری مہیا کروانا بھی شامل ہے۔ WCD کے تحت مختلف مقامات پر کیمپس، پروگرامس اور ریلیز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سال 2013 کے دوران روبہ عمل لائی جانے والی کچھ سرگرمیاں درج ذیل ہیں:

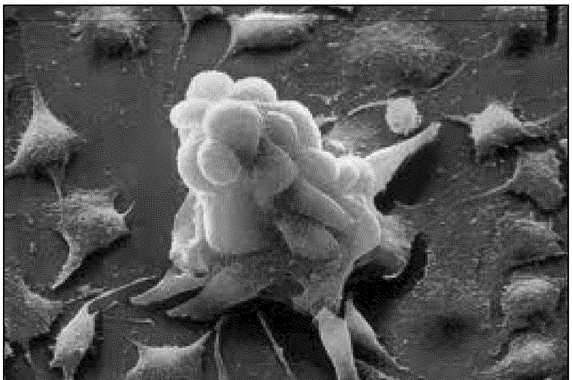
1- T-Cell Lymphoma Forum
24-26 January 2013
2- The 2013 Gastrointestinal Cancers Symposium
24-26 January 2013
3- Targeted Anticancer Therapies 2013 7-9 March 2013
4- 15th World Conference on Lung Cancer 3-7 October 2013

کینسر کیا ہے؟

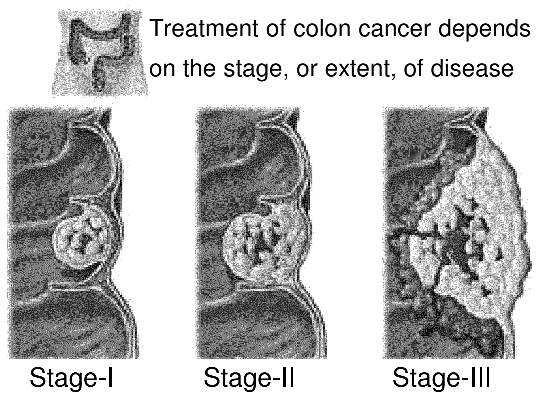
کینسر ایک قدیم مرض ہے۔ اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کی خود طب کی تاریخ۔ طب کی قدیم کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ کینسر کا اردو مترادف ''سرطان'' ہے۔

کینسر میں مبتلا مریض میں درد یا بخار جیسی کوئی ابتدائی علامات ظاہر نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر معاملوں میں یہ مرض اندر ہی اندر بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کینسر کو خاموش قاتل (Silent Killer) کہا جاتا ہے۔ اس مرض میں جسم کے کسی بھی حصّے میں خلیات (Cell) میں غیر منضبط (Uncontrolled) اور خلاف معمول (Abnormal) تقسیم کا عمل شروع ہو جاتا ہے، گویا خلوی تقسیم کو کنٹرول کرنے والا نظام فیل ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں رسولی یا گانٹھ (Tumor) بن جاتی ہے۔ اس ٹیومر کے خلیات دوران خون یا جسمانی مائع (Lymph) کے ذریعہ دوسرے حصوں تک پہنچتے ہیں جہاں یہ نئے ٹیومر پیدا کرتے ہیں۔ یہ عمل Metastesis یا ثانوی نمو (Secondary Growth) کہلاتا ہے۔ ٹیومر کی وجہ سے متعلقہ عضو کے افعال میں خرابی یا بے قاعدگی آجاتی ہے۔

ٹیومر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک Benign Tumor اور



کینسر کا خلیہ



کینسر کا مدارج

دوسرے Malignant Tumor۔ بے نائن ٹیومر غیر کینسری ٹیومر ہیں جو بے ضرر رہوتے ہیں۔ان میں موجود خلیات میں امتیاز کیا جاسکتا ہے اور وہ ریشوں کے ایک غلاف میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔انہیں جراحی (Surgery) کے ذریعہ بہ آسانی جسم سے الگ کرلیا جاتا ہے۔ Malignant Tumors کینسری ٹیومر ہوتے ہیں۔ان کے خلیات بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔ان کے خلیات میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔یہ خلیات جسم کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کیوں کہ وہ غلاف میں لپٹے ہوئے نہیں ہوتے۔بعض معاملات میں بے نائن ٹیومر بھی جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔کینسر کی مطلق وجہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکی ہے۔

کینسر کی قسمیں:۔

کینسر کے امراض کو بنیادی طور پر 5 گروہوں میں بانٹا گیا ہے:

1۔ Carcinomas:۔

یہ سطحی خلیات (Epithelial Cells) سے تیار ہونے والے ٹیومر ہیں۔یہ ٹیومر دماغ،جلد،گردن اور پستان میں پائے جاتے ہیں۔پستان کا کینسر (Breast Cancer) عورتوں کے علاوہ مردوں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن عورتوں میں اس کا تناسب زیادہ ہے۔

2۔ Sarcomas:۔

یہ جوڑنے والے (Connective) اور عضلاتی (Muscular) بافتوں (Tissues) سے تیار ہونے والے ٹیومر ہیں۔یہ کُرکری ہڈی (Cartilage) اور ہڈی (Bone) میں پائے جاتے ہیں۔

3۔ Lymphomas:۔

یہ طحال (Spleen) اور Lymph Nodes میں بننے والے Lymphocytes کی خلاف معمول پیداوار کی وجہ سے وجود میں آنے والے ٹیومر ہیں۔

4۔ Leukemia:۔

یہ خون کا کینسر ہے جو Leucocytes کی باقاعدہ نمو کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔

5۔ Lipomas:۔

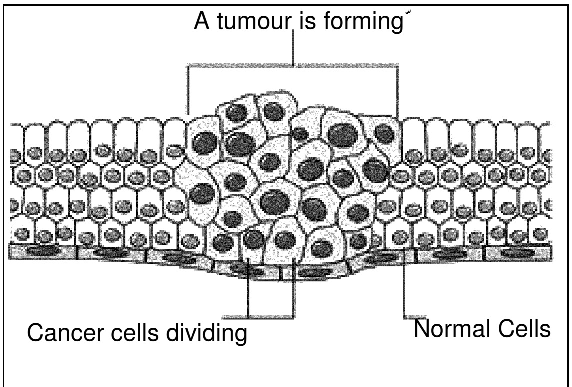
یہ چربی کی بافتوں (Fatty Tissues) کے ٹیومر ہیں۔

کینسر کے اسباب:۔

بہت سارے اسباب ہیں جن سے کینسر لاحق ہوتا ہے۔ مثلاً۔۔۔

1۔ تمباکو:۔

زیادہ عرصہ تک بیڑی،سگریٹ پینا اور تمباکو چبانا کینسر کے امکان کو بڑھادیتا ہے۔تمباکو کے لگاتار استعمال سے منہ،گردن،حلق، گلا،غذا کی نالی،لبلبہ اور پھیپھڑوں کا کینسر لاحق ہوتا ہے۔تمباکو کسی



ٹیومر کا بننا

بھی صورت میں استعمال کی جائے مثلاً گھوٹا، کھینی، نسوار، تمبا کو ٹوتھ پیسٹ، ادھ جلی تمبا کو، بیڑی، سگریٹ، سگار، وہ اپنا اثر دکھا کر ہی رہتی ہے۔ تمبا کو میں موجود نکوٹین، پائرڈین، فرفیرول وغیرہ جسم کے قدرتی مادوں کے ساتھ تعامل کر کے کینسر پیدا کرنے والے مادوں (Carcinogens) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

2۔ الکحل:۔

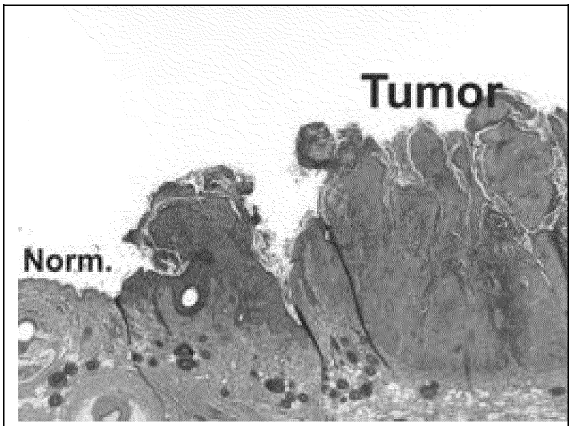
الکحل یعنی شراب کا مسلسل استعمال جگر، غذائی نالی اور مقعد (Rectum) کے کینسر کا ذمہ دار ہے۔

3۔ خوراک کا انتخاب:۔

چربی اور روغنی غذاؤں کا نامناسب استعمال پستان کے کینسر کی وجہ بن سکتا ہے۔ بڑے کا گوشت (Beef) کا بے تحاشہ استعمال آنتوں کے کینسر کا سبب ہو سکتا ہے۔

4۔ پیشہ ورانہ حالات:۔

کارخانوں میں بین زین، کیڈمیم، کرومیم اور ایس بس ٹس (Asbestos) وغیرہ کے ماحول میں کام کرنے والے افراد کو



جلد کا کینسر

پھیپھڑوں اور دوسرے اعضاء کے کینسر کا خطرہ رہتا ہے۔

5۔ وائرس:۔

کئی قسم کے وائرس (Virus) انسانوں میں کینسر پیدا کرتے ہیں۔ Cytomegalo Virus ،Hepatitis-B Virus وغیرہ جگر اور دوسرے اعضاء میں کینسر پیدا کرتے ہیں۔

6۔ Oncogenes:۔

کچھ معاملات میں بعض جینس (Genes) کینسر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان Genes کو Oncogenes کہتے ہیں۔

7۔ بالائے بنفشی شعاعیں:۔

بالائے بنفشی شعاعیں (Ultra Violet Rays) جلدی کینسر کی ذمہ دار ہیں۔

8۔ تنگ لباس کا استعمال:۔

تنگ لباس کے مسلسل استعمال سے کمر کے اطراف جلد کا کینسر لاحق ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔

9۔ رگڑ (Friction):۔

کسی سطح سے جلد کا مسلسل رگڑنا مثلاً مساجد میں پلاسٹک کی جانماز سے پیروں اور ہتھیلیوں کا مسلسل رگڑتے رہنا جلدی کینسر کا موجب ہو سکتا ہے۔

10۔ جلن (Irritation):۔

دوائیاں خاص کر قبض کشا دوائیاں جو جلن پیدا کریں، معدہ اور آنتوں کا کینسر پیدا کر سکتی ہیں۔

11۔ فیگر قائم رکھنے کا بھرم:۔

Elite طبقے کی خواتین اپنے فیگر (جسمانی ساخت) کو قائم رکھنے کے بھرم میں اپنے شیر خوار بچوں کو دودھ پلانے سے اعتراض کرتی ہیں۔ ان خواتین میں پستان کے کینسر کا خطرہ بنا رہتا ہے۔

(بقیہ صفحہ : 32)

کینسر کی علامات:۔

کینسر کے شروعاتی دور میں کچھ علامات ظاہر ہوتی ہیں۔انہیں Red Signals یا Early Warning Signals کہا جاتا ہے۔ان سگنلس کو نظرانداز کرنا نقصان دہ بلکہ جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ ان علامات کے ظاہر ہونے پر فوراً معالج سے رجوع کرنا چاہئے۔ضروری نہیں کہ تمام علامات کسی ایک مریض میں ظاہر ہوں۔ کسی ایک علامت کو بھی خطرے کی گھنٹی سمجھ کر جانچ کی فکر کرنا ضروری ہے۔کینسر کی علامات ذیل کے مطابق ہیں:

1۔ کوئی زخم، السر یا سوجن جو علاج کے باوجود ٹھیک نہ ہو، خاص کر 50-45 سال کی عمر کے لوگوں میں۔

2۔ جسم کے کسی بھی حصّہ میں گانٹھ یا سختی کا احساس ہونا۔

3۔ مسّہ یا تل کا اپنا مقام تبدیل کرنا۔

4۔ اخراجِ فضلہ (Bowel) کے معمولات میں تبدیلی آنا۔

5۔ خواتین میں دو ماہواریوں کے درمیان بے وجہ خون کا اخراج یا اختتام ماہواری (Menopause) کے بعد بھی اخراج کا ہونا۔

6۔ مسلسل کھانسی اور بیٹھی ہوئی آواز جو باوجود علاج کے ٹھیک نہ ہو۔

7۔ جسمانی وزن میں اچانک کمی آجانا۔

8۔ غذا نگلنے میں تکلیف ہونا۔

9۔ مسلسل بدہضمی رہنا۔

10۔ بغیر زخم یا چوٹ کے جلد سے اخراج خون ہونا۔

11۔ جسم کی Openings جیسے منہ، ناک، کان، مقعد وغیرہ سے بے وجہ خون کا اخراج ہونا۔

12۔ ہلکا ہلکا بخار رہنا۔

13۔ بھوک میں کمی واقع ہونا یا بالکل بھوک نہ لگنا۔

کینسر کے عوامل:۔

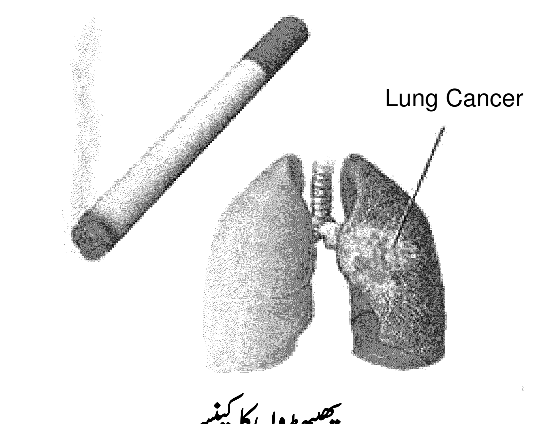
کینسر کے عوامل Carcinogens کہلاتے ہیں۔ ہر وہ مادہ جو کینسر کی وجہ بنے کارسی نوجن کہلاتا ہے۔کارسی نوجن کی قسمیں ذیل کے مطابق ہیں۔

1۔ بالائے بنفشی شعاعیں (U.V. Rays)، ایکس شعاعیں (X-Rays)، تابکار مادوں کی شعاع پاشی (Radiation) اہم کارسی نوجن ہیں۔شعاع پاشی کے نتیجے میں DNA کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ DNA کو نقصان پہنچانے کا عمل کینسر کا سبب بنتا ہے۔

2۔ بعض کیمیائی مرکبات جیسے نکوٹین، کیفین اور بہت سے Polycyclic hydrocarbons بھی کارسی نوجن کے طور پر کام کرتے ہیں۔

3۔ Simia Virus اور Retrovirus بھی کینسر کے عوامل میں سے ہیں۔

4۔ تمباکو اور سپاری (Betel Nut) کو بھی کارسی نوجن میں شمار کیا گیا ہے۔



پھیپھڑوں کا کینسر

احتیاطی تدابیر:۔

جس طرح نیند سے بہتر نماز ہے اسی طرح علاج سے بہتر احتیاط ہے۔ کینسر سے بچنے کے لئے ذیل کی احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں:

1۔ ہوا میں پائے جانے والے آلائندے (Pollutants) جو کینسر کے ذمہ دار ہیں، انہیں کنٹرول کرنا۔ ہوا میں موجود تابکار آلائندے سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ ویسے تو ہوا کی آلودگی کی روک تھام ایک بڑا کام ہے جو سرکاری سطح پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عوامی سطح پر بھی کچھ باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ پلاسٹک اور ربر کی بیکار اشیا کو جلانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ان اشیاء کے جلنے سے کینسر پیدا کرنے والے آلائندے ہوا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ درخت اور پودے آلائندوں کے بہترین جاذب (Absorbants) ہوتے ہیں۔ لہٰذا گھروں اور کھلی جگہوں میں شجر کاری، ہوا کی آلودگی پر قابو پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

2۔ ڈرگز، کاسمیٹکس اور غذاؤں میں شامل کئے جانے والے اجزاء (Food Additives) کی موقع موقع سے جانچ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ان میں موجود کارسی نوجن کا پتہ چل سکے۔ یہ کام بھی سرکاری سطح کا ہے۔

3۔ تمباکو اور سپاری کا استعمال بند کر دینا چاہئے یا کم سے کم اس میں تخفیف کرنی چاہئے۔

4۔ بیڑی، سگریٹ نہ صرف استعمال کرنے والوں کے لئے نقصان دہ ہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی مضر ہیں جو Smoking کرنے والوں کے آس پاس موجود ہوتے ہیں۔ یہ لوگ Passive Smokers کہلاتے ہیں لہٰذا اسموکنگ سے بچنا چاہئے۔

5۔ شراب واقعی ام الخبائث ہے۔ اس سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

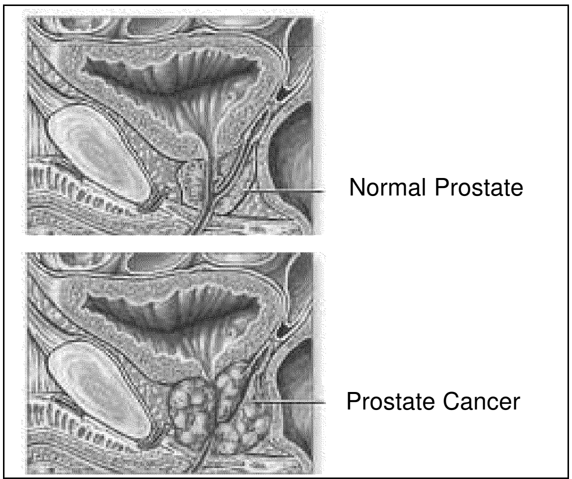
6۔ خاندانی منصوبہ بندی کے تحت استعمال کی جانے والی گولیاں خواتین میں رحم (Ovary) کے کینسر کا باعث ہوتی ہیں۔ ان کے استعمال سے بچنا ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات اس سلسلے میں بالکل واضح ہیں۔

7۔ جنسی تعلقات میں اعتدال، وفاداری اور طہارت و پاکیزگی پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہماری رہنمای کے لئے یہاں بھی اسلامی تعلیمات موجود ہیں۔

8۔ تبدیلی آب و ہوا، بدلتے ہوئے لائف اسٹائل اور کارسی نوجنس سے گھرے ماحول کے چلتے تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے خواتین میں 20 سال کی عمر سے پہلے اور 30 سال کی عمر کے بعد بچوں کی پیدائش کینسر کو مدعو کر سکتی ہے۔ لیکن اس تحقیق پر سوالیہ نشان بھی لگ سکتا ہے۔ یہ آبادی کو کنٹرول میں رکھنے اور خاندانی منصوبہ بندی کے پروپگنڈے کا ایک حصہ ہو سکتی ہے۔

9۔ روغنی اور چٹ پٹی غذاؤں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ فاسٹ فوڈ اور جنک فوڈ کے لئے تو ہمارے کلچر میں کوئی جگہ ہی نہیں ہونی چاہئے۔

10۔ پھلوں اور سبزیوں پر کیڑا مار، جراثیم کش اور پھپھوند کش دوائیوں کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ دوائیاں بھی کینسر کی ذمہ دار ہیں۔



ہوتی ہیں۔اس لئے پھلوں اور سبزیوں کو استعمال سے پہلے خوب اچھی طرح دھولینا چاہئے۔

11۔ 30 سال کی عمر کے بعد سال میں ایک مرتبہ جنرل میڈیکل چیک اپ کروالینا چاہئے۔

علاج:۔

کینسر کے علاج کے لئے ماہرینِ کینسر (Oncologists) بہت سے طریقہائے علاج اپناتے ہیں۔کینسر کی قسم اور اس کا درجہ (Stage) کے مطابق طریقۂ علاج کا انتخاب کیا جاتا ہے۔کینسر کے علاج میں اکثر ایک سے زیادہ طریقوں کو یکے بعد دیگرے آزمایا جاتا ہے۔

کینسر کے علاج کے مروجہ اور جدید طریقے یہ ہیں:

1۔ جراحی (Surgery) جسے عرفِ عام میں آپریشن کہا جاتا ہے۔

2۔ کیمیاوی معالجہ (Chemotherapy)

3۔ شعاع پاشی (Radio Therapy)

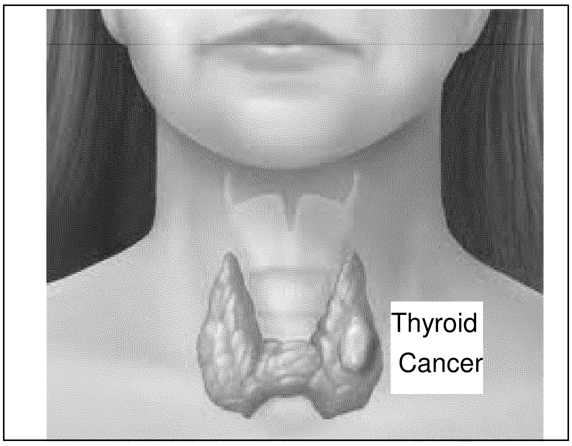
4۔ محرکابی معالجہ (Harmone Therapy)

5۔ مدافعتی معالجہ (Immuno Therapy)

ملک کے ہر بڑے شہر میں کینسر کا اسپتال موجود ہے۔اس کے علاوہ ہر بڑے اسپتال میں شعبۂ کینسر (Dept. of Oncology) موجود ہوتا ہے۔ملک کا سب سے بڑا کینسر اسپتال ممبئ میں واقع ٹاٹا میموریل کینسر ہاسپٹل ہے۔یہاں ملک کے کونے کونے سے آنے والے اور بیرون سے آنے والے مریضوں کا علاج بہت بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔اس اسپتال میں کینسر کے موثر علاج کے ساتھ ساتھ کینسر ریسرچ اور کینسر ایجوکیشن کا نظم بھی ہے۔یہاں ہر سال 30,000 نئے مریض آتے ہیں، 8500 مریضوں کا میجر آپریشن (Major Operation) کیا جاتا ہے۔ 5000 مریضوں کو کیموتھیراپی اور ریڈیوتھیراپی مہیا کی جاتی ہے۔مخلوط طریقۂ علاج (Multidisciplinary Programme) کے نتیجے کے طور پر اس اسپتال سے لاکھوں لوگ شفایاب ہوکر جاتے ہیں۔ اسپتال کا دعویٰ ہے کہ وہاں Acute Lymphoblast Leukemia کے 99 فیصد مریض شفایاب ہوتے ہیں۔

خواب اور حقیقت

سائنس نے ہمیشہ خواب اور حقیقت کے فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کی ہے،اور کامیابی نے ہمیشہ اس کے قدم چومے ہیں۔انسان نے پرندوں کو دیکھ کر ہوا میں اڑنے کا خواب دیکھا،سائنس نے اس کے سامنے ہوائی جہاز کھڑا کردیا۔اُس نے جامِ جہاں نما کا خواب دیکھا،سائنس نے ٹی وی اس کی خدمت میں پیش کردیا۔سائنس کی مدد سے اس نے کئی جان لیوا امراض پر قابو پالیا ہے۔کسی زمانے میں تپ دِق (ٹی بی) ایک لا علاج مرض تسلیم کیا جاتا تھا۔انفلوائنزا سے بڑے پیمانے پر اموات واقع ہوتی تھیں۔پلیگ کی وبا جب قہر بن کرنا نازل ہوتی تو بستیوں کی بستیاں صاف ہوجاتی تھیں۔اللہ کے فضل وکرم سے سائنس نے ان سب کا علاج دریافت کرنے میں ہماری مدد کی۔ گذشتہ کئی دہائیوں سے کینسر ایک موذی مرض بنا ہوا ہے۔اس پر فتح پانے کے لئے ان تھک کوششیں کی جارہی ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا





ڈائجسٹ

میں آج تک متفرق بیماریوں کے ازالے کے لئے جتنا کام مجموعی طور پر ہوا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ تحقیق اکیلے کینسر پر ہوئی ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس پر قابو پانا ابھی تک ایک دور کا خواب بنا ہوا ہے۔ لیکن اب نینوٹکنالوجی (Nano Technology) نے ہمیں کینسر پر مکمل فتح سے بہت قریب کر دیا ہے۔

ایشین انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل اسٹڈیز (AIMS)، نئی دہلی، کے ڈائرکٹر کے، این پانڈے نے گذشتہ سال عالمی یوم کینسر کے موقع پر منعقد ایک پروگرام میں کہا کہ کینسر کے علاج کے سلسلے میں نئی نئی تکنیکیں وجود میں آ رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مستقبل میں خود مریض اس بیماری کا پتہ لگا سکیں گے۔ نینو دوا کی بہت کم مقدار کی خوراک (Dose) لے کر کینسر کے خلیات کو جڑ سے ختم کیا جا سکے گا۔ ڈاکٹر پانڈے نے کہا کہ گرچہ یہ ابھی ایک خواب ہی ہے لیکن طبّی سائنسداں اس خواب کو حقیقت میں بدلنے میں جٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ طبّی سائنس میں دیکھے گئے خواب حقیقت بن کر رہتے ہیں۔ آج سے کچھ سال پہلے کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ روبوٹ آپریشن کریں گے لیکن آج یہ ہو رہا ہے۔

طب کی دنیا کے کئی میدانوں میں نینوٹیکنالوجی کا استعمال شروع ہو چکا ہے۔ پروسٹیٹ (Prostat) کینسر کے علاج میں نینو ٹکنالوجی اہم رول نبھا رہی ہے۔ مقناطیسی نینو ذرات سے کینسر کا پتہ لگانا آسان ہو گیا ہے۔

حال ہی میں برطانیہ کے سائنسدانوں نے صرف 20 منٹ میں کینسر کا پتہ لگانے اور اس کے ٹھیک ٹھیک علاج کے لئے دوا تجویز کرنے والے آلے کی کھوج کا دعویٰ کیا ہے۔ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اس آلے کی مدد سے ڈاکٹر، نرس، یہاں تک کہ فرماشسٹ تک چٹکی بجاتے کینسر کی پہچان کر سکیں گے۔ سائنسدانوں کو امید ہے کہ آئندہ 3 سالوں میں یہ آلہ برطانیہ کے بازاروں میں آ جائے گا۔

نیوکیسل یونیورسٹی، شیفیلڈ یونیورسٹی اور نجی کمپنی کوانٹو، ایم، ڈی، ایکس مشترکہ طور پر اس آلہ کو تیار کر رہے ہیں۔ امید کی جا رہی ہے کہ کینسر کے علاج میں یہ ایجاد انقلابی ثابت ہوگی اور دنیا بھر کے کروڑوں مریضوں کو راحت ملے گی۔

ایک دوسری خبر کے مطابق روزہ (فاقہ کشی) کینسر کو دور بھگاتا ہے۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی میں کئے گئے تجربات کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے۔ کینسر زدہ چوہوں کو کیموتھیراپی کے دوران بھوکا رکھا گیا تو متاثرہ خلیات بجائے سست پڑنے کے فعّال ہو گئے اور ان میں تقسیم کا عمل (Cell Division) تیزی سے شروع ہو گیا اور پھر وہ ختم ہونا شروع ہو گئے۔ یہ عمل ایک طرح سے متاثرہ خلیات کی خودکشی جیسا تھا۔ اس طرح چوہوں کو کافی افاقہ ہوا۔ اس کے برخلاف جن چوہوں کو کیموتھیراپی کے دوران کھانا دیا گیا ان میں سے کسی کو بھی بچایا نہیں جا سکا۔ یہ جانکاری ڈیلی میل نے ایک محقق پروفیسر والٹر لونگو کے حوالے سے دی ہے۔ ان کی یہ تحقیق سائنس ٹرانسلیشنل میڈیسین نامی جریدے میں شائع ہوئی ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید رکھنی چاہئے کہ آج نہیں تو کل اس موذی مرض کا علاج ضرور دریافت کر لیا جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''کوئی بیماری ایسی نہیں جس کی دوا اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کی ہو، سوائے ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے۔''

(مسند احمد: 17986)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے دوا اتاری ہے، جب بیمار کو صحیح دوا پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے۔'' (مسلم: 5741)

ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ طبی سائنسدانوں اور محقق جلد از جلد ''صحیح دوا'' تک پہنچ جائیں۔ دعا کی قبولیت کے در ہمیشہ کھلے ہیں۔ درد و تکلیف میں مبتلا مریض جب صدقِ دل سے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں فرماتے۔

اسی کے ساتھ ہمیں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت اور حضورؐ کے تجویز کردہ ہر ماہ کے 3 روزوں پر بھی غور کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر جاوید انور

غصہ (گذشتہ سے پیوستہ)

ہر شخص کے لئے اس کا اپنا غصہ مقدس ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں ہیں جن پر غصہ آنا معاشرتی طور پر قابل قبول اور مقدس عمل بن چکا ہے اور اس کا علاج سب سے مشکل ہے۔

اسکول کا ایک لڑکا بابر میرے پاس بھیجا گیا جس نے اپنے ایک بہت اچھے دوست کو اس بات پر بری طرح مارا کہ اس نے اس کی چھوٹی بہن کو مذاق میں کچھ کہا تھا۔ لڑائی رکوانے کے لئے کلاس کے استاد کو مداخلت کرنی پڑی۔ اگرچہ بابر کو کچھ دنوں کے لئے اسکول سے نکال دیا گیا لیکن لوگوں کی ہمدردیاں اسی کے ساتھ تھیں اور یوں اسے کوئی احساس جرم بھی نہیں تھا، لیکن وہ اپنے غصے سے خوفزدہ تھا اور خودکشی کے بہت قریب پہنچ چکا تھا اور وہ اس بات سے باخبر بھی تھا۔

''ڈاکٹر صاحب آپ غصے پر قابو پانے میں میری مدد کریں۔ اپنے غصے سے آگاہ ہونے سے پیشتر میں وحشی ہوجاتا ہوں اور بعد میں مجھے اس کا دکھ ہوتا ہے۔''

''جو واقعہ ابھی پچھلے دنوں میں پیش آیا اس میں تمہیں کون سی بات پریشان کرتی ہے۔''

''یہ کہ میرا ردعمل ضرورت سے زیادہ سخت تھا۔ میں مکمل پاگل ہو گیا تھا۔

یہ ایک انوکھی بات تھی کہ ایک شخص اس جذبے سے چھٹکارا چاہتا تھا جسے وہ جائز سمجھتا ہے۔

''لگتا ہے تم یہ سیکھنا چاہتے ہو کہ نشہ سے متاثر ہوئے بغیر نشہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں بابر۔ یا تو تم غصے کے ساتھ مکمل جنگ لڑو یا بھول جاؤ کہ تم غصہ بھی کرو اور اس پاگل پن سے نجات بھی پالو۔ تم اسے جتنا بھی جائز کیوں نہ قرار دو غصہ ایک غیر اخلاقی اور تمہارے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے ایک خطرناک حرکت ہے۔''

''لیکن ڈاکٹر صاحب ہر آدمی کو غصہ آتا ہے۔''

''اور ہر آدمی کو اس سے نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اس سے کیا ثابت ہوا؟ یہی کہ غصہ ایک قابل افسوس بوجھ ہے جو انسان مستقل اٹھائے پھرتا ہے۔ یا آپ کو ہمیشہ اس سے لڑنا ہوگا یا اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہوگا۔

آپ تو ایسے بات کررہے ہیں جیسے کسی شخص کو کبھی غصہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس وقت بھی نہیں جب اسے اس کا پورا پورا حق پہنچتا ہو۔

''غصے میں پاگل ہوجانے کا تمہیں کوئی جائز حق حاصل نہیں۔ اگرچہ تمہیں ہر وقت اس کا مجنونانہ حق ضرور حاصل ہے۔''

مجھے وہ سوچ میں کھویا ہوا لگا تو میں نے کہا ''مجھے علم ہے تم کیا سوچ رہے ہو۔ کہ جب تمہارے دوست نے تمہاری بہن کے بارے میں کوئی غلط جملہ کہا تو تمہیں اسے مارنے کا مکمل حق تھا۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں میں یہی سوچ رہا تھا۔''

''لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ تم نے اپنے دوست کو صرف اس بات پر شدید زخمی کردیا کہ اس نے ایک ایسی بات کہی جو تمہیں پسند نہیں آئی۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن کیا یہ ایسی وجہ نہیں تھی کہ میں غصے میں

آ جاتا؟''

''صرف اس صورت میں اگر وہ تم پر جسمانی حملہ کرتا۔لیکن اس نے صرف اپنے ہونٹوں سے کام لیا جس کا اسے مکمل حق حاصل ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے اسے میری بہن کو سور کہنے کا حق حاصل ہے۔''

''یقیناً۔کیوں نہیں! تمہیں اس کو اپنی بے عزتی تصور نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

''اور اگر وہ میری ماں کے بارے میں ایسا لفظ استعمال کرے تو کیا اس سے کوئی فرق پڑے گا؟'' اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں۔یہ حق بھی اس کو حاصل ہے۔بابر ذرا غور کرو۔یا تو وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اور تمہاری بہن سور ہے ورنہ غلط ہے۔اور غصے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ جب بھی ایسا موقعہ آئے تم ہمیشہ اپنے آپ سے یہ سوال پوچھو۔''

''اپنے آپ سے پوچھو کہ کیا تمہاری بہن واقعی سور ہے۔کیا کھانا کھاتے ہوئے اس کے جبڑوں سے رال گرتی ہے۔اور وہ موٹی ہے اور اس کی چال بھدی ہے۔اگر یہ سچ ہے تو تمہیں اپنے دوست کا شکر گزار ہونا چاہئے۔اور یہ سوچنا چاہئے کہ اپنی بہن کی یہ عادتیں ختم کرنے کے لئے کیا کیا جائے۔یوں اپنے دوست سے ناراض ہونے کا کوئی جواز نہیں بنتا کیونکہ وہ تو سچ کہہ رہا ہے۔''

''لیکن فرض کرو وہ غلط کہہ رہا تھا اور تمہاری بہن بڑی صاف ستھری رہنے والی لڑکی ہے۔اور اس میں ایسی کوئی خامی نہیں پائی جاتی۔پھر بھی ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔بلکہ تمہیں ایسی رائے کا اظہار کرنے والے لڑکے پر ترس آنا چاہئے کہ وہ کس قدر بے وقوف ہے۔اگر وہ ایسی غلط بات کہہ رہا ہے تو ذہنی طور پر اس کے ساتھ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔اب اگر تم ساری بات کو اس انداز سے دیکھو گے تو تمہیں حیرانی نہیں ہوگی''

بابر کو ماننا پڑا کہ اس بات میں کوئی وزن ہے۔لیکن میں جانتا تھا کہ اس بات کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لئے اسے اس پر کافی غور کرنا ہوگا۔اس کے اگلے ہی جملے سے وہ بے اطمینانی جھلکتی تھی جو ان لوگوں میں ہوتی ہے۔جو یہ کلیہ نیا نیا سیکھتے ہیں۔

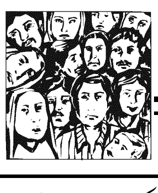
''سو اگر میرے ساتھی کوئی گھٹیا حرکت کریں تو مجھے انہیں کچھ نہیں کہنا چاہئے۔صرف اپنے آپ کو غصے سے پاگل ہونے سے بچانا چاہئے۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا بابر! میں نے تو کہا ہے اپنے آپ کو جذباتی طور پر بے قابو نہ ہونے دو۔ہم نے پریشانی سے نپٹنے کے طریقے پر تو ابھی بات ہی نہیں کی۔''

میں نے بابر کو سمجھایا کہ اپنے آپ کو لوگوں کے غلط سلوک سے بچانا چاہئے۔اگر وہ کچھ نہیں کرے گا تو لوگ اور زیادہ کمینی حرکتیں کریں گے۔اگر ہر مرتبہ وہ غصے میں آجائے گا تو اس کا حل لڑائی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔لیکن اس سے بہتر حل موجود ہیں مثلاً وہ اپنے دوست سے پوچھ سکتا ہے کہ اس نے ایسی بات کیوں کہی۔اگر وہ اپنی دوستی میں کوئی فرق نہیں آنے دیتا تو امکان یہی ہے کہ اس کا دوست جلدی میں دی گئی رائے پر غور کرے۔اگر اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو وہ اپنے استاد سے بات کرسکتا ہے۔پھر بھی کوئی حل نہ نکلے تو ماں باپ کو بھی بلایا جاسکتا ہے۔کسی نہ کسی کو ثالث بنا کر مسئلہ بہر حال حل کیا جاسکتا ہے۔

''دیکھا تم نے بابر۔تمہارے سامنے کئی ایسے راستے ہیں کہ تم مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے قابل رہو۔اور یوں اچھی طرح سوچ سمجھ کے ان میں سے کوئی راستہ اختیار کرلو۔لیکن تمہارے ساتھ یہ ہوا کہ تم نے اپنے دوست کی شدید پٹائی بھی کی۔اس سے تمہارے تعلقات بھی خراب ہوئے اور تمہاری بہن کے بارے میں اس کی رائے بھی نہیں بدلی۔ٹھیک ہے نا۔''

''جی۔آپ بالکل صحیح فرمارہے ہیں۔اب وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔''



غصے کے بارے میں چند خصوصی یاددہانیاں

1۔ کوئی بھی وجہ کیوں نہ ہو۔غصہ پاگل پن کی ایک حرکت ہے۔اس کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ یہ ایک بچکانہ تقاضہ ہے کہ زندگی ہماری خواہش کے مطابق ہو۔اس جذبے کے بیدار ہونے سے پہلے ہمارے ذہن میں دو باتیں آتی ہیں۔

(i) یہ کہ مجھے کسی چیز کی خواہش ہے(ایک معصوم خیال جو زیادہ سے زیادہ،بہت معمولی سا احساس محرومی پیدا کرسکتا ہے)

(ii) اور وہ پوری ہونی چاہئے۔(اور یہ بیمار سوچ ہے جو نفرت کی طرف لے کر جاتی ہے)۔

2۔ غصے میں آئے ہوئے بچے کو باور کرانا چاہئے کہ اگر وہ غصے میں نہ آئے تو اس کی خواہش پوری ہونا آسان ہے۔ غصے کا احساس اور خواہش پوری کرنے کی کوشش سے پریشانی کم یا ختم کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔بالکل سچ۔مگر ایسا تو صرف کام کرنے سے بھی ممکن ہے۔نفرت ایک غیر ضروری بوجھ ہے جو اتار پھینکنا چاہئے۔

اگر جسمانی طاقت کی ضرورت پڑے تو اسے بھی سکون سے استعمال کرنا چاہئے جیسے ایک باکسر کرتا ہے۔ ماں باپ اکثر اولاد کے غصے کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔اور ایسے واقعات لازماً بچے کے ذہن میں ایسے نتائج چھوڑتے ہیں کہ غصے سے کام نکل آتا ہے۔

3۔ پرانے نظریات یہ بتاتے ہیں کہ غصے کو اندر ہی اندر نہیں دبانا چاہئے۔کیونکہ یہ حقیقی نقصان کا باعث اور ہائی بلڈ پریشر جیسے عارضوں کا سبب بنتا ہے۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ غصہ نکال دیا جائے۔اس بات میں کچھ سچائی ہے اور ہم میں سے بعض کو اس قسم کا کوئی تجربہ ہوگا کہ جیسے ریت سے بھرے تھیلے پر مکے مارنے سے غصہ کم کیا جاسکتا ہے۔

لیکن کیا یہ بہتر نہیں کہ ایسے معاندانہ جذبے کو بیدار ہی نہ ہونے دیا جائے۔اپنی محرومیوں کے بارے میں خود سے جرح کی جائے تاکہ غصہ پیدا ہونے کی نوبت ہی نہ آئے۔

4۔ بچوں کو ایسے معاندانہ جذبات پر قابو پانا سکھاتے ہوئے والدین اکثر یہ بات کہتے ہیں کہ بدلہ لینے میں نقصان کا شدید خطرہ ہے جو اس کو جسمانی اور جذباتی طور پر لاحق ہے۔اسے باور کرانا چاہئے کہ جس کام کا اس کے دشمن نے آغاز کیا تھا وہ خود اسے انجام تک پہنچا رہا ہے۔کیونکہ نفرت کرنے والا عام طور پر اپنے آپ دشمن کی بہ نسبت زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے۔ اور یوں وہ ٹھنڈے دماغ سے اصل محرومی کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرسکتا۔

5۔ غصے کے پس منظر میں جو غیر منطقی نظریات پائے جاتے ہیں وہ ہیں نمبر 1۔ لوگ مکار ہوتے ہیں اور انہیں شدید سزا ہی درست کرسکتی ہے۔نمبر 2۔چیزیں ہماری مرضی کے مطابق ہونی چاہئیں۔نمبر 3۔جذباتی تناؤ کا سبب بیرونی عوامل ہوتے ہیں اور نمبر 4۔ہمیں دوسرے لوگوں کے رویوں سے پریشان ہونا چاہئے۔



ڈاکٹر عبدالمعز شمس، علی گڑھ

آبِ حیات (قسط۔ 11)

ڈی۔پی۔ٹی (DPT) ٹیکہ

ڈی۔پی۔ٹی بھی ایک ایسا ٹیکہ ہے جس کے اجزاء بیک وقت ایک ہی انجکشن سے تین امراض سے محافظت کرتے ہیں۔

D کا مطلب (Diphtheria) جسے خناق کہتے ہیں، P یعنی (Pertusis) جسے کالی کھانسی اور T یعنی (Tetanus) جسے کزاز کہا جاتا ہے۔

یہ تینوں بیماریاں جو مدت تک خوفناک چیز بنی رہیں، ٹیکہ کی باضابطہ ایجاد اور پابندی سے ہر بچے کو وقت پر ٹیکہ لگنے سے آہستہ آہستہ ناپید تو نہیں لیکن خاصی کم ہوگئی ہیں۔ بھلا ہو ان سائنسدانوں کا جنہوں نے ٹیکہ کی ایجاد میں تحقیق کی اور کافی عرق ریزی کے بعد نئی نسل کے لئے ٹیکہ چھوڑ گئے اور اب بچوں کو عام طور پر خناق اور کالی کھانسی کا خطرہ نہیں رہتا۔

ایک نظر ان تین بیماریوں پر ڈالنا ضروری ہے تاکہ اس ٹیکہ کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔

خناق (Diphtheria)

خناق (Diphtheria) یونانی لفظ Diphthera سے ماخوذ ہے جس کے معنی چمڑے نما پلندے کے ہیں جو درج بالا نظام تنفس کے مرض کا سبب بنتا ہے اور ایک مخصوص بیکٹیریا Coryne Bacterium Diphtheriae کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی شناخت 1880 میں ہوگئی تھی اور جس کی وجہ سے گلے میں خراش ہو جاتی ہے، بخار آ جاتا ہے اور گلے میں ایک جھلی پھیل کر ٹانسل، حلق اور ناک تک پہنچ جاتی ہے اور قلب و اعصاب پر اثر چھوڑ جاتی ہے۔

خناق ایک متعدی (Contagious) مرض ہے جو براہ راست جسمانی تعلق یا مرض میں مبتلا شخص کے کھانسے یا چھینکنے سے سانس کے ذریعہ ایک صحت مند انسان تک پہنچ جاتا ہے۔ تاریخ میں اس کی تباہ کاری کے واقعے ملتے ہیں لیکن ٹیکہ کی ایجاد کے بعد تقریباً یہ مرض ختم ہو چکا ہے۔ مثلاً امریکہ میں 1980 سے 2000 تک یعنی بیس سال کے دوران صرف 52 مریض اس کا شکار ہوئے تھے اور پھر 2007 تک صرف تین بچے اس مرض میں مبتلا ہوئے کیونکہ DPT کا ٹیکہ بڑی پابندی سے تمام اسکولی بچوں کے لئے لازم قرار دیا گیا۔ Booster خوراک بالغان کے لئے تجویز کی جاتی ہے خاص طور پر ایسے خطہ میں جہاں اس مرض کے پائے جانے کا امکان ہو اور وہاں سفر درکار ہو تو بوسٹر لینا ضروری ہے۔

علامات:۔

انفکشن کے دو سے سات دن کے بعد علامات کا ظہور ہوتا ہے جس میں بخار C ° 38 یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ ٹھنڈ کا شدید احساس، نقاہت، جسم کا رنگ نیلا پڑنا، گلے میں شدید خراش، آواز کا بھاری ہو جانا، کھانسی اور سر درد، گھونٹنے یا نگلنے میں تکلیف، سانس پھولنا، خون آلودہ افرازات، گلٹیوں میں سوجن جیسی شکایتیں عام ہیں لیکن ساتھ ساتھ دل کی دھڑکن میں تبدیلی، ورم عضلات قلب (Myocarditis)، عجمی اور سطحی اعصاب میں فالج کا اثر وغیرہ علامات نہایت خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔



یوں تو خناق کا علاج ممکن ہے لیکن شدید حالات میں گلے میں موجود گلٹیاں سوج جاتی ہیں اور سانس لینا دوبھر ہوجاتا ہے۔ اکثر حالات بے قابو ہوجاتے ہیں سانس کے رُکنے کا خطرہ ہوتا ہے تب ادخال نلی (Intubation) یا قصبیہ شگافی (Tracheotomy) کی ضرورت پڑجاتی ہے۔ غیر طبیعی قلبی دھڑکن شروع میں ہوسکتی ہے جوایک ہفتہ بعد رُک بھی سکتی ہے۔ خناق کی وجہ سے آنکھوں کے عضلات میں فالج آسکتا ہے نیز گلے، گردن اور تنفسی عضلات پر بھی اثر پڑسکتا ہے۔ نازک حالات میں مریضوں کو اسپتال میں داخل کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ضد سمیات خناق (Diphtheria Antitoxin) بھی دیا جاتا ہے مگر یہ قدم بھی بہت ہوشیاری سے اٹھانا پڑتا ہے چونکہ ضد سمیات اس زہر کو جو رگ وریشہ میں سرایت کرچکا ہے ختم نہیں کرتا۔ تاہم تاخیر بھی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔

خناق ایک خطرناک مرض ہے جس میں 5 سے 10 فیصد کو موت ہوسکتی ہے۔ 5 سال سے کم عمر کے بچوں اور 40 سال سے زائد عمر کے لوگوں میں شرح اموات 20% ہوجاتی ہے۔

خناق وبائی شکل کم ہی اختیار کرتی ہے لیکن پوری دنیا میں یہ بیماری ہنوز موجود ہے 1980 میں روس کے بکھرنے کے بعد ٹیکہ کاری گویا رُک گئی تھی جس کی وجہ سے خناق پھیل پڑا۔ 1991 میں 2000 روسی میں خناق میں مبتلا تھے 1998 میں یہ تعداد دو لاکھ ہوگئی جن میں 5000 کی موت ہوگئی۔ یہ سانحہ اس قدر عظیم تھا کہ اسے گنیز بک میں جگہ ملی اور یہ Most Resurgent بیماری درج کی گئی۔

خناق کے لئے پہلا ٹیکہ 1920 میں ایجاد ہوا تب سے اس بیماری میں کمی آتی گئی۔

کالی کھانسی (Pertusis)

کالی کھانسی کو Whooping Cough بھی کہا جاتا ہے جوایک متعدی بیماری ہے اور ایک مخصوص قسم کے بیکٹیریا Bordtella Pertussis سے ہوتی ہے۔ بعض ممالک میں اسے سو (100) دن والی کھانسی بھی کہا جاتا ہے۔

کالی کھانسی ایک خطرناک مرض ہے جو بچوں میں دائمی معذوری کا سبب بن سکتا ہے۔ حتیٰ کہ موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ جب اس مرض میں مبتلا بچہ چھینکتا یا کھانستا ہے تو ننھے آبی ذرات میں موجود بیکٹیریا ہوا کے ذریعہ صحت مند انسان تک پہنچ کر اُسے بیماری میں مبتلا کرسکتا ہے۔ انفکشن چھ ہفتہ قائم رہتا ہے۔ نہ صرف بچوں بلکہ بڑوں کو بھی بیمار کرسکتا ہے۔ ٹیکہ کی ایجاد سے قبل بچوں کی عام بیماریوں میں اس کا شمار ہوتا تھا مگر اب پابندی سے ٹیکہ کاری کی وجہ سے بچے محفوظ ہوگئے لیکن یہ بیماری بڑوں میں بھی اکثر ہوجاتی ہے علامات میں سے ابتدائی علامات ایسی نظر آتی ہیں جیسے سردی لگ جانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ انفکشن کے ایک ہفتہ بعد یہ علامت ظاہر ہوتی ہے اور شدید کھانسی دس سے بارہ دنوں بعد شروع ہوتی ہے۔ بچوں میں کھانسی کے بعد کھوں کھوں اور کھر کھر Whoop کی آواز آتی ہے اور یہ آواز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مریض سانس لینا چاہتا ہے۔ Whoop چھ ماہ سے کم عمر کے بچوں اور بالغوں میں نہیں ہوتا۔

ایک اندازے کے مطابق یہ بیماری کم از کم چار کرور پچاسی لاکھ لوگوں کو متاثر کرتی ہے جن میں اس مرض سے تقریباً تین لاکھ لوگوں کی موت ہوجاتی ہے حالانکہ DPT ٹیکہ نہایت پابندی سے لگتا ہے۔ تاہم کالی کھانسی سے ہونے والی اموات کو ٹیکہ کے ذریعہ روکا جاسکتا ہے۔ 90% مریض ترقی پذیر ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ ٹیکہ سے قبل امریکہ میں ایک لاکھ میں 157 لوگوں کو یہ مرض ہوتا تھا لیکن 1940 میں ٹیکہ کی ایجاد کے بعد 1970 تک ہر ایک لاکھ میں صرف ایک بچہ اس بیماری سے متاثر پایا گیا۔ لیکن 1980 سے یہ شرح بڑھنی شروع ہوگئی۔

ہوا یوں کہ 1982 میں ٹیلی ویژن ڈاکومینٹری نے DPT سے متعلق ایک گمراہ کن بیان دے دیا اور بچوں کی شدید معذوری کو



DPT ٹیکہ کا قصور بتایا گیا۔ اس غلط بیانی سے منفی اثرات پیدا ہوئے اور عدالت میں ٹیکہ بنانے والی کمپنیوں کے خلاف مقدمات دائر ہونے لگے۔ 1985 تک ٹیکہ سازی کے لئے بڑی مشکلات کھڑی ہوگئیں۔ ٹیکہ کی قیمتیں آسمان چھونے لگیں لہذا سرکار نے 1986 میں ایکٹ بنایا جس سے مقدموں پر روک لگ سکی۔ Yugi Sato نے نئے ٹیکہ کی ایجاد کی جسے 1992 میں منظوری ملی۔ اپریل اور مئی 2012 میں کالی کھانسی نے واشنگٹن میں وبائی شکل اختیار کرلی اور اسی سال ستمبر میں برطانیہ میں بھی یہی صورتحال پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں کئی اموات واقع ہوئیں۔

علامات:۔

بیماری کی ابتدا معمولی سردی زکام، جیسی ہوتی ہے اس کے بعد شدید کھانسی اور خطرناک آواز پیدا ہونے لگتی ہے جو کھانسی کے بعد سانس لیتے وقت پیدا ہوتی ہے کھانسی کا سلسلہ چھ ہفتے قائم رہتا ہے۔ کھانسی کے ساتھ قے بھی ہوجاتی ہے۔ کھانسی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ اکثر آنکھ کی سفیدی کے نیچے خون جمع ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور کبھی حرقتہ البول یعنی Incontinence of Urine کی بھی شکایت ہوجاتی ہے۔ فتق (Hernia)، غشی اور ریڑھ کی ہڈیوں کی وریدیں پھٹ جاتی ہیں۔ گرچہ افضائے مرض (Incubation Period) بچوں میں سات سے دس دن ہے جس کے بعد سانس کی تکلیف، معمولی کھانسی، چھینک اور ناک سے پانی کا آنا شروع ہوتا ہے جسے نزلہ (Catarrhal Stage) کی حالت کہا جاسکتا ہے۔

ایک سے دو ہفتہ کے بعد کھانسی اور غشی کی حالت شروع ہوتی ہے، کھانسی کے ساتھ ساتھ خطرناک آواز اور مریض کو سانس لینے میں بے چینی ہوتی ہے۔ غشی خود سے یا کبھی کبھی جمائی لینے، جسم کو کھینچنے، ہنسنے، کھانے یا چیخنے چلّانے کے بعد ہوجاتی ہے اور بار بار ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ دو سے آٹھ ہفتہ تک رہتا ہے۔

دو ہفتوں کے بعد مرض میں مخفیف کھانسی کم ہونے لگتی ہے لیکن Whoop صحت یابی کے بعد بھی قائم رہ سکتی ہے۔

تشخیص:۔

ابتدائی تشخیص علامات پر منحصر ہے۔ علامات کی غیر موجودگی میں کالی کھانسی کی تشخیص مشکل ہے۔ یقین کے لئے ناک سے خارج ہونے والے افرازات کو لیبوریٹری بھیج کر کالی کھانسی کی تشخیص ہوسکتی ہے لیکن اس جانچ میں وقت لگتا ہے اور دوسری طرف مرض کے خطرات کو روکنے کے لئے علاج ضروری بھی ہے۔

بعض مریضوں میں خون کی جانچ میں لمفوسائیٹ کی تعداد بڑھی ہوئی ملتی ہے۔

علاج:۔

ظاہر ہے یہ مرض چونکہ بیکٹریا سے ہوتا ہے لہذا فوراً اینٹی بائیوٹک شروع کیا جاتا ہے جس میں قابل ذکر ایرتھرومائسین (Erythromycin) ہے جس سے کافی جلد افاقہ ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے زیادہ تر مریضوں کی تشخیص دیر سے ہو پاتی ہے جہاں اینٹی بائیوٹک کارگر نہیں ہو پاتا تاہم دوائیں مرض کو اس قدر قابو میں رکھتی ہیں کہ دوسرے محفوظ رہ سکیں۔ کھانسنے کے دوران آٹھ ماہ سے کم عمر کے بچوں کی نگرانی ضروری ہے چونکہ ان کی سانس رُک سکتی ہے لہذا نازک حالات میں بچوں کو اسپتال میں داخل کرلیا جاتا ہے جہاں آکسیجن اور نمی ورطوبت کا مناسب انتظام رہتا ہے۔ چونکہ بچوں میں موت کا خطرہ زیادہ رہتا ہے اس لئے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

متوقع پیچیدگیاں:۔

1۔ نمونیہ 2۔ تشنج
3۔ مرگی یا دل کا دورہ جیسی کیفیت 4۔ ناک سے خون کا آنا
5۔ کان میں عفونت 6۔ آکسیجن کی کمی سے دماغ پر اثر
7۔ دماغ میں خونریزی 8۔ سانس کا رُک جانا (حبس دم)
9۔ موت



احتیاطی تدابیر:۔

DPT کا ٹیکہ بچوں میں پابندی سے لگ جانا لازمی ہے جو بچوں کو کالی کھانسی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

کالی کھانسی کے وبائی حالات پیدا ہونے پر جن بچوں کو ٹیکہ نہیں لگا ہے اور عمر 7 سال سے کم ہے انہیں اسکول جانے سے روک دیا جاتا ہے۔

ٹیکہ

کالی کھانسی کا ٹیکہ نہایت کامیاب ٹیکہ ہے جسے WHO کی صلاح کے مطابق لگتے رہنا چاہئے۔اس ٹیکہ نے 2002 میں کم از کم نصف ملین لوگوں کی جانیں بچائی ہیں۔ یہ ٹیکے کم از کم 71 تا 85 فیصد بااثر ثابت ہوا ہے۔

ان ٹیکوں سے کم از کم پانچ سال سے دس سال تک محافظت ہوجاتی ہے۔بچوں کے لئے مخلوط ٹیکے DPT کے نام سے یا اب DPT مع انفلوئنزا ٹائپ B فراہم ہیں۔

کزاز (Tetanus) یا فک بستگی

کزاز جسے Tetanus کہا جاتا ہے قدیم یونانی زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنی کھنچاؤ کے ہیں۔ یہ ایک طبی حالت ہے جس میں نرم بافتی عضلات میں کھنچاؤ اور سکڑن پیدا ہوتی ہے۔ یہ کھنچاؤ Tetanospasmin نام کے اعصاب پراثر انداز ہونے والے ایک زہریلے مادّے (Neurotoxin) جو Clostridium Tetani نام کا بیکٹیریا پیدا کرتا ہے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

انفکشن زخم کے آلودہ ہونے سے ہوتا ہے جو کسی وجہہ سے کٹ یا چھل گیا ہو۔ جیسے ہی عفونت بڑھتی ہے سب سے پہلے جبڑوں میں کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے جسے Lock Jaw یا فک بستگی کہتے ہیں۔ انفکشن کی روک باقاعدگی سے ٹیکہ سازی سے ہوسکتی ہے۔

علامات:۔

کزاز میں سب سے پہلے فک بستگی شروع ہوتی ہے اور یہ کھنچاؤ سینے میں بھی ہوسکتا ہے ساتھ ساتھ گردن، پیٹھ اور پیٹ کے عضلات میں تناؤ شروع ہوجاتا ہے۔ پیٹھ میں تناؤ کی وجہ سے پورا جسم کمان سا بن جاتا ہے جسے کزاز عضلات ظہر (Opisthotonos) کہا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اُن عضلات میں کھنچاؤ شروع ہوتا ہے جو سانس لینے میں مدد کرتے ہیں لہذا ایسی حالت میں سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے۔

کافی دیر تک کھنچاؤ سے اور شدت سے پورے عضلات میں شدید درد ہوتا ہے جسے نوشی کزاز (Tetany) کہتے ہیں۔ یہ عمل ایسا خطرناک ہوتا ہے کہ اس میں ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور عضلات پھٹ جاتے ہیں۔ دیگر علامات میں بے انتہا پسینہ، بخار، ہاتھ اور پیر میں تناؤ، کھانا نگلنے میں دقت اور پیشاب، پاخانہ پر قابو نہ رہنا ہے۔

اس مرض کی شرح اموات 48 سے 73 فیصد ہے اور یہ شرح ایسے لوگوں میں زیادہ ہے جنہیں یے ٹیکہ نہ لگا ہو اور ساٹھ سال سے زائد عمر کے ہوں۔

عرصہ افضائے مرض (Incubation Period)

یہ عرصہ ایک ہفتہ سے لے کر کئی کئی ماہ تک ہوسکتا ہے۔ عام طور پر یہ جسم پر چوٹ سے مرکزی نظام عصبی کی دوری پر منحصر ہوتا ہے۔ جس قدر دور چوٹ ہوگی عرصہ افضائے مرض اتنا زیادہ ہوگا اور کم اس وقت ہوگا جب علامات شدید ہونگی۔ نوزائیدہ میں 4 سے 14 دن یعنی اوسطاً ایک ہفتہ بتایا جاتا ہے۔

قسمیں:۔

طبی علامات کے حساب سے کزاز کی چار قسمیں بتائی جاتی ہیں۔

1۔ عمومی کزاز (Generalized):۔

یہ سب سے عام کزاز ہے جو تقریباً 80 فیصد ہوتا ہے۔

پہلی علامت عضلات میں اینٹھن (Trismus) یا فک بستگی (Lock Jaw) اور چہرے پر کھنچاؤ جیسے تبسم یا تشنج کا سپاسٹک گیرن (Risus Sardonicus)، ساتھ ساتھ گردن میں کھنچاؤ، گھونٹنے میں تکلیف اور پنڈلیوں میں سختی، ساتھ ساتھ بخار، پسینہ، فشار خوں میں زیادتی اور دھڑکن کا تیز ہونا پایا جاتا ہے۔سکڑن بار بار



ہوتی ہے اور کئی کئی منٹ قائم رہتی ہے اور جسم کمان کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے۔ یہ حالت چار ہفتہ تک بنی رہتی ہے اور کامل صحت یابی میں مہینوں لگ سکتے ہیں۔

2۔ نومولود کزاز (Neonatal Tetanus):۔

یہ عمودی کزاز کی طرح ہی ہے جو نومولود میں پایا جاتا ہے۔ ایسی مائیں جنہیں کزاز کا ٹیکہ کبھی نہ لگا ہو ان کے بچوں میں یہ پایا جاسکتا ہے۔ یہ ناف کے زخم کے مندمل نہ ہونے سے ہوتا ہے خاص طور پر جب ناف کو گندے یا آلودہ دھار والے چاقو سے کاٹا گیا ہو۔ ترقی پذیر ملکوں میں یہ قسم عام ہے اور نومولود کی اموات میں سے 14% اس وجہ سے ہوتی ہیں۔

3۔ مقامی کزاز (Local Tetanus):۔

یہ عام نہیں بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں چوٹ پہنچی ہو وہاں مقامی حصے میں کزاز کا اثر ہوتا ہے جو کئی ہفتے قائم رہتا ہے۔ یہ عام نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر شدید نہیں ہوتا اور 1% موت کا خطرہ رہتا ہے۔ یہ قسم ہے تو معمولی لیکن عمومی کزاز کا خطرہ بنا رہتا ہے۔

4۔ سر کی طرف کا کزاز (Cephalic Tetanus):۔

گرچہ یہ قسم نادر ہے لیکن گاہے بگاہے کان کے انفکشن میں پائی جاتی ہے یا پھر سر میں چوٹ لگنے پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں اثر سب سے پہلے مخی اعصاب پر ہوتا ہے اور خصوصاً چہرے کے حصّہ پر۔

تشخیص:۔

کزاز کی تشخیص کے لئے خون کی کوئی جانچ نہیں بلکہ شناخت صرف علامات سے ہی ہوتی ہے۔

کفچہ ٹسٹ (Spatula Test) ایک طبی جانچ مانا جاتا ہے جس میں حلق کی پچھلی دیوار پر کفچہ لگا کر بعد ردعمل دیکھا جاتا ہے۔ اگر کزاز میں کوئی شخص مبتلا ہے تو جبڑے سکڑ جاتے ہیں اور مریض کفچہ کو دانتوں سے جکڑ لیتا ہے لیکن ایک عام آدمی کفچہ کو باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے جسے Gag Reflex کہتے ہیں۔

کزاز سے بچاؤ:۔

عام بیماریوں کی طرح کزاز سے لڑنے کے لئے کسی بچے میں قدرتی قوت دفاع (Immunity) نہیں پائی جاتی بلکہ کزاز سے بچاؤ صرف اور صرف سم نما کزاز (Tetanus Toxoid) کے ٹیکہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

بالغوں کو ہر دس سال پر بوسٹر خوراک کی سفارش کی جاتی ہے لیکن شبہہ کی بنا پر کسی بھی نوکیلی یا دھاردار چیز سے زخمی ہونے پر کزاز کا سم نما ٹیکہ لے لینا چاہئے۔ لیکن تازہ زخم سے پیدا ہونے والے کزاز کا خطرہ پھر بھی قائم رہتا ہے کیونکہ اینٹی باڈی بننے میں دو ہفتے لگتے ہیں۔

عام طور پر DPT کے ٹیکے 6 ہفتے، 10 ہفتے، 14 ہفتے، 15 تا 18 ماہ اور پھر 5 سال کی عمر میں لگتے ہیں۔



ڈائجسٹ

ڈاکٹر جاوید احمد کامٹوئی، کامٹی، ضلع ناگپور

آئس کریم اور صابن سے کارآمد ایندھن کی تیاری

آئس کریم، شیمپو، صابن وغیرہ میں پائے جانے والے ہائیڈروکاربن وغیرہ کی حیاتی تعدیل (Bio-Catalyst) سے سائنس داں، کاروں وغیرہ کے لئے درکار ایندھن کی تیاری کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

مانچسٹر کی یونیورسٹی کے سائنسدانوں کو یقین ہے کہ ان ذرائع یا ماخذوں سے گھروں کو سپلائی کی جانے والی بجلی اور کاروں میں جلنے والے ایندھن حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یادرہے ان اشیا میں چربی کے تیزاب (فیٹی ایسڈ) پائے جاتے ہیں۔ انہی چربی کے تیزابوں کی حیاتی تعدیل سے یہ اشیا حاصل کی جاسکتی ہیں۔ Nick Turner کی قیادت میں کام کرنے والی سائنسدانوں کی ٹیم نے چکنائی والے تیزابوں (Fatty Acid) کو نشانہ بنایا ہے تاکہ انہیں ایندھن میں تبدیل کیا جاسکے۔ یہ ہائیڈروکاربن ہماری روزمرہ زندگی کی بہت سی چیزوں میں جیسے صابن، شیمپو، جیل وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک میں کاربن کی تعداد مختلف ہوتی ہے ان میں ال ڈی ہائڈ، الکحل یا الکین وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

اس ریکارڈ توڑ (بریک تھرو) تجربہ سے سائنسداں اس عقدہ کو حل کرنے کے قریب ہیں کہ دائمی نوعیت کے قدرتی ذخائر کو کس طرح ایندھن میں تبدیل کیا جاسکتا ہے کہ جن پر کاروں کو دوڑایا جاسکے۔ ان میں موجود مختلف خام اشیا سے ایندھن کی حیاتی تعدیل (Bio-Catalysm) کے لئے مخصوص تعدیلی عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ حیاتی تعدیلی ایجنٹ اسی طرح مخصوص سالموں کی شناخت اور انتخاب کرتے ہیں جس طرح کوئی تالا اپنی چابی کے لئے۔ ان دونوں میں مکمل جوڑ بیٹھنا ضروری ہے ورنہ یہ عمل ناقص ہوگا یا انجام پذیر نہ ہوسکے گا۔ سائنسدانوں نے یہ مہارت بھی حاصل کرلی ہے کہ ضرورت کے مطابق وہ تالوں دوسری شکل تبدیل کردیتے ہیں تاکہ ان کا مناسب جوڑ چابی سے بیٹھ سکے۔ ایسی صورت میں انہیں مزید حیرت انگیز ضمنی حاصلات سے سابقہ پڑتا ہے۔

ماحول واچ

عالمی حدت سے بحر قطب شمالی کے برف کو پگھلنے سے روکنے کی نئی ترکیب

دنیا کے میٹھے پانی کے ذخائر بحر قطب شمالی وجنوبی اور برفانی قطبین میں مرکوز ہیں۔ دنیا کی گرماہٹ میں اضافہ سے برف کے پگھلنے کا عمل تیز ہوا ہے۔ یہ شرح دن بدن بڑھ سکتی ہے۔ ایسی صورت میں برف کا ذخیرہ پگھل جائے گا اور ندیوں کو ملنے والے پانی کا سلسلہ موقوف ہوجائے کا جس سے دنیا میں افراتفری مچ جائے گی۔ دوسری جانب اس برف کے پگھل کر سمندر میں شامل ہونے سے سمندروں کی سطح میں اضافہ ہوگا جس سے شہر بلکہ ملک تک غرقاب ہوجائیں گے اور یہ بھی انسانوں کی تباہی کا سبب بنے گی۔ اس لئے ماہرین ماحولیات چاہتے ہیں کہ قطبی برف کے پگھلنے کے عمل کو روکا جائے یا کم کیا جائے۔ برف کی تہوں کی برقراری ان کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہے۔



ڈائجسٹ

ایک امریکی سائنسداں نے عالمی حدّت کے نتیجے میں پگھلنے والے آرکٹک کو دوبارہ برفیلی حالت میں واپس لانے کے سلسلے میں ایک تجویز پیش کی ہے۔ David Keith (جوکہ ہارورڈ یونیورسٹی میں ایلائیڈ فزکس کے پروفیسر ہیں) نے برف کے پگھلنے کے عمل کو روکنے یا سست کرنے کے لئے ایک سجھاؤ دنیا کے سامنے رکھا ہے جس کے بموجب فضا میں انعکاسی (Reflective) ذرات میں اضافہ کرنے کا طریقۂ کار پیش کیا ہے جوکہ سورج کی شعاعوں میں تخفیف کا سبب بنے گا نیز اس عمل سے قطبی برف کو واپس لایا جا سکے گا۔

موصوف کا دعویٰ ہے کہ سورج کی حدت کو 0.5% تک روکنے سے شمالی قطب کے اطراف کی برف کو صنعتی دور سے پہلے پائی جانے والی سطح تک واپس لایا جا سکتا ہے۔

کیتھ (Kieth) کی تحقیق کے مطابق سارے عمل کو چند مخصوص طیاروں (جنہیں گلف اسٹریم کہا جاتا ہے) کے ذریعے انجام دیا جا سکتا ہے جس پر سالانہ محض آٹھ ملین ڈالر خرچ آئے گا (جوکہ خلائی تحقیقات وغیرہ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں)۔ ان کے مطابق عالمی حدت سے بچاؤ کا یہ تکنیکی طریقہ ہے اور اسے چند بااثر اور متمول ممالک بہ آسانی انجام دے سکتے ہیں۔

یہ تجربہ از حد ضروری ہے۔

ان کا خیال ہے کہ دنیا سے کسی نہ کسی طور پر فضائی آلودگی کو کم کرنا ضروری ہے اور اس کی فوری ضرورت ہے۔ اب اہل اقتدار اسے کس طرح روبہ عمل لاتے ہیں یہ ان کی صوابدید پر منحصر ہے۔

کیتھ کو اس پر اصرار نہیں کہ ان کی پیش کردہ تجویز پر ہی عمل کیا جائے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ فضائی آلودگی کو بہر حال قابو میں کیا جائے۔



پیش رفت

نجم السحر

زمین جیسے قابل سکونت سیاروں کا انکشاف

ناسا کے کیپلر (Kepler) مشن کے ابتدائی تین سالوں میں حاصل شدہ معلومات کے تجزیہ سے سائنسداں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمارے نظام شمسی کے علاوہ اور بھی لاتعداد نظامہائے شمسی ہیں جن کے سیاروں میں زمین جیسے قابل رہائش خصائص پائے جاتے ہیں۔

اس تحقیق کے مطابق سورج جیسے ستاروں میں سے تقریباً 17 فیصد ایسے ہیں جن کے پاس زمین کے درمیانی قطر (Diameter) سے ایک یا دو درجہ زیادہ بڑے سیارے موجود ہیں۔ اور اپنے میزبان ستارے کے بہت نزدیک اپنے مدار پر حرکت پذیر ہیں۔ اس مشن پر یونیورسٹی آف کیلی فورنیا، بارکلے اور یونیورسٹی آف ہوائی کے افراد کام کر رہے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق تقریباً 50 فیصد ستارے ایسے ہیں جن کے پاس زمین جیسے یا زمین سے کچھ بڑے سیارے موجود ہیں۔

مرکز برائے (Astrophysics) کے ایک سائنسداں کی پیش کردہ رپورٹ کے مطابق دودھیا کہکشاں (Milky Way Galaxy) میں ایک کروڑ سترہ لاکھ سیارے ایسے ہیں جو حجم میں زمین کے بقدر ہیں۔ اور عطارد (Mercury) کے مدار کے حجم کے مدار پر گردش میں ہیں۔

سائنسدانوں کا ماننا ہے کہ یہ تو ضروری نہیں کہ زمین سے ایک یا دو درجہ بڑے سیاروں پر زندگی کے امکانات لازماً پائے جائیں، تاہم ایسے کچھ سیارے یورینس (Uranus) اور نیپچون (Neptune) کے مشابہ ضرور ہیں اور ان میں پتھریلے مرکز بھی ہیں جو ہیلیم اور ہائیڈروجن گیسوں سے گھرے رہتے ہیں۔ اس بات کا بھی امکان ہے ستاروں کے نزدیک پائے جانے والے سیاروں میں آبی ذخائر مختلف شکلوں گہرے سمندر اور جھیلیں وغیرہ کی شکل میں موجود ہوں۔ ناسا کے کیپلر مشن کے بنیادی مقاصد میں اس سوال کا حل تلاش کرنا ہے کہ کتنے فیصدی ستاروں کے پاس زمین کی صفات والے سیارے موجود ہیں۔

زمین کے مدار کے مماثل مدار پر زمین کی مانند چکر لگا رہے سیاروں کی تلاش کے لئے آسمان کے ایک خاص حصہ میں 150,000 ستاروں کی مکرّر تصاویر کیپلر دوربین کے ذریعہ حاصل کی گئیں اور انہیں The Pipeline نامی ایک کمپیوٹر سوفٹ ویئر کے ذریعہ تجزیاتی ادوار سے گزارا گیا۔

کیپلر مشن کی حاصل کردہ معلومات کا بڑا جزء اب انٹرنیٹ پر موجود ہے اور اسے بلا معاوضہ دیکھا اور حاصل کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

لولبی شعاعوں (Helical Beams) کے ذریعہ پیغام رسانی کی کمیت میں اضافہ

زیادہ سے زیادہ الکٹرانک ذرائع سے معلومات منتقل کرنے اور فون، موبائل اور انٹرنیٹ پر ایک دوسرے سے ہمہ وقت جڑے رہنے کے اس نئے مزاج نے اتصالاتی نظام میں استعمال کی جانے والی محدود (Bandwidth) کو مزید وسعت دینے اور نئے ذرائع تلاش کرنے کی مہم کو تیز کر دیا ہے۔ سائنسدانوں نے موجودہ (Bandwidth) کے نہج پر استعمال کے قابل ایک برقی شعاع کا انکشاف ہے۔ یہ پیچ کس (Corkscrew) کی ایک برقی لہر یا شعاع ہے جسے بصری بھنور (Optical Vortex) یا بھنوری شعاع (Vortex Beam) کہا جاتا ہے۔

حال ہی میں ہارورڈ اسکول آف انجینئرنگ اینڈ اپلائڈ سائنسیز



پیش رفت

(SEAS) کے سائنسدانوں نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے۔ اس آلہ کی مدد سے رائج بصری ڈیٹیکٹر (Optical Detector) جو کہ عام طور پر روشنی کی کثافت جانچنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ایک خاص مطلوب گردش پر عمل کرسکتا ہے۔

نیچر کمیونیکیشن کے مطابق اس آلہ کی مدد سے بصری اتصالاتی (Optical Communication) نظام کی دنیا میں کافی مثبت انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

SEAS کے بعض سائنسدانوں کے مطابق بصری بھنور (Optical Vortex) کو معلوم کرنے کے لئے بہترین بصری آلے پہلے ہی سے موجود ہیں لیکن یہ بڑے پیچیدہ، مہنگے اور بھاری بھرکم ہوتے ہیں۔ جبکہ اس نئی دریافت کے مطابق پہلے سے موجود سستے تصویر حساس (Photo Detector) میں صرف ایک معدنی شکل (Matallic Pattern) ثبت کردیا جاتا ہے اور ہر شکل (Pattern) کو اس انداز میں تیار کرتے ہیں کہ وہ مخصوص بھنوری شعاع کو اس کے اپنے مدار پر اس کی تیز رفتاری یعنی بصری بھنور میں موجود ہر Wavelength کے اندرونی گھماؤ یا دوران کی تعداد سے پہچان کر گرفتار کرلے۔

چونکہ یہ جدید آلہ شعاع کے اندرونی گھماؤ کے تئیں کافی حساس ہوتا ہے اس لئے یہ بھنوری شعاعوں کی مختلف قسموں کو بخوبی پہچان سکتا ہے۔

موجودہ اتصالاتی نظام میں Bandwidth کو دوچند کرنے کے لئے بیک وقت کئی پیغامات بھیجنے کی ترکیب اختیار کی جاتی ہے۔ یعنی Wavelength کے ہر ایک جزء پر علیحدہ ایک پیغام ارسال کیا جاتا ہے۔ اور اس عمل کو Wavelength Division Multiplexing یعنی برقی رو کی تعدّدی تقسیم کہتے ہیں۔

بھنوری شعاعیں عمل تعدّد (Multiplexing) کو دوچند کرسکتی ہیں اور اس طرح پیغام رسانی کی مقدار میں بھی اضافہ یقینی ہے۔

عملِ تعدد پر منحصر موجودہ نظام اتصالات میں یک جہتی برقی نسیج (Sigle-mode Optical Fiber) کے ہر Fiber کے ہر سیکنڈ پر تقریباً سوٹیرابٹ پیغامات ارسال کئے جاتے ہیں۔ مستقبل میں کثیر جہتی برقی نسیجوں پر ورٹکس بیم استعمال کرکے اس مقدار کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ اور اس اضافہ کو حقیقی شکل دینے کے لئے ایسے آلہ (Detectors) کی ضرورت پڑے گی جو بھنوری شعاعوں کو پہچان کر الگ کرسکے۔ اور Seas کے سائنسداں ایسا آلہ دریافت بھی کرچکے ہیں۔

محققین کا کہنا ہے کہ اس مجوزہ ڈیٹیکٹر میں ورٹکس بیم کو پہچاننے اور ان کی شناخت کی خوبی جو کہ بصری نظام اتصالات کے لئے لازمی شئ ہے موجود ہے۔ البتہ اس کی مزید مخفی خوبیاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آشکارا ہوتی جائیں گی۔

لائٹ ھاؤس

جمیل احمد

نام کیوں کیسے؟

میگنیشیم (Magnesium)

ہزاروں سال پہلے جب لوگوں کو لوہے کو اپنی جانب کھینچنے والے معدن کے ٹکڑے ملتے تھے، تو وہ حیران رہ جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مظہر کا مطالعہ سب سے پہلے ایشیائے کوچک کے ایک شہر مطہ کے قدیم یونانی مفکر طالیس نے کیا تھا۔ اس نے اس معدنی مادے کے نمونے ایشیائے کوچک ہی کے ایک اور شہر میگنیشیا (Magnesia) سے حاصل کیے تھے۔ اسی سے اس نے اس معدن کا نام Magnes رکھ دیا۔ یہی لفظ آج ہم تک Magnet کی صورت میں پہنچا ہے (اردو میں ہم نے اس کو مقناطیس بنالیا ہے)۔ جبکہ آج کل اس معدن کو Magnetite کہا جاتا ہے۔

روم کے ایک ماہر موجودات گائیس پلینیئس سیکنڈس (Gaius Plinius Secundus) نے، جسے عام طور پر Pliny the Elder بھی کہا جاتا ہے، طالیس کے Magnes کو ایک اور سیاہ معدن سے گڈمڈ کردیا جسے وہ خود بھی Magnes کہتا تھا۔ قرون وسطیٰ میں پلینی کی کتابوں کی دستی نقول تیار کی گئیں جو بعض مواقع پر غیر محتاط یا شاید کم پڑھے لکھے لوگوں نے کیں۔ چنانچہ اس لفظ میں تحریف پیدا ہوگئی۔ اور پلینی نے بذات خود غلطی سے جس چیز کو "Magnes" کا نام دیا تھا وہ ہجے کی غلطی سے مزید بگڑ کر "Manganese" بن گیا۔

بعد میں پلینی کا Magnes شیشہ سازی کی صنعت میں استعمال ہونے لگا۔ اس کا مقصد خام مادوں میں موجود لوہے کی کثافت کی وجہ سے شیشے میں پیدا ہونے والے سبزی مائل رنگ کو دور کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ اب اس معدن کو Pyrolusite کا نام دیا گیا جو یونانی الفاظ "Pyr" (آگ) اور "louein" (صاف کرنا) کا مجموعہ تھا (یہاں آگ سے مراد شیشے کی تیاری میں درکار بہت زیادہ حرارت ہے)۔

1774ء میں سویڈن کے ماہر معدنیات جاہن گوٹلیب گاہن (Johan Gottlieb Gahn) نے پائرولوسائٹ سے ایک نئی دھات حاصل کی اور اس کا نام رکھنے کے لئے قرون وسطیٰ میں ہونے والی غلط فہمی اور غلط ہجے سے پیدا ہونے والے لفظ Manganese (مینگانیز) کا انتخاب کیا۔ یہ نام ایسا پسند کیا گیا کہ تب سے اب تک اس دھات کا یہی نام رائج ہے۔

زمانہ قدیم میں یونان کے ایک شہر میگنیشیا (ضروری نہیں کہ یہ قدیم یونان کا مذکورہ بالا شہر ہی ہو کیونکہ اس وقت قدیم یونانی سلطنت میں اسی نام کے تین شہر تھے) کے علاقے سے ایک اور سفید رنگ کا معدن دریافت کیا گیا تھا۔ رومیوں نے اس معدن کو، قبل ازیں دریافت شدہ سیاہ رنگ کے معدن Magnes سے ممیّز کرنے کے لئے Magnesia Alba کا نام دیا۔ Alba دراصل Albus سے ہے جس کے معنی ''سفید'' ہے۔ 1831ء میں فرانسیسی کیمیا دان انتواں اے بی بسی (Antoine A.B. Bussy) نے میگنیشیا البا سے ملتے جلتے ایک کیمیائی مادے میں سے ایک دھات حاصل کی اور اس کا نام میگنیشیم (Magnesuim) رکھا۔ یوں میگنیشیا کے اس قدیم لفظ سے دو دھاتوں اور ایک اہم قدرتی قوت (مقناطیسیت) کا نام حاصل ہوا۔

میمل (Mammal)

تمام کثیر خلوی جانداروں کو دو عالموں (Kingdoms) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک عالم حیوانات دوسرا عالم نباتات۔ پہلے پہل

پودوں کو جانوروں کی طرح مکمل طور پر زندہ تصور نہیں کیا جاتا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ جانور سانس لیتے اور ادھر ادھر حرکت کرتے نظر آتے تھے جبکہ پودوں میں یہ صفات اتنی واضح نظر نہیں آتی تھیں۔ جانوروں کے لئے Animal کا لفظ ہی درحقیقت لاطینی زبان کے "Anima" (سانس لینا) سے آیا ہے۔

عام گفتگو میں ''جانور'' کا لفظ اکثر کتوں، بلیوں اور گائیوں، بھینسوں کی طرح کے چوپایوں تک ہی محدود ہے۔ چنانچہ بعض اوقات لوگ عام بول چال میں کہتے ہیں ''جانور اور پرندے''۔ حالانکہ تمام پرندے بھی جانور ہی ہوتے ہیں اور اسی طرح گھونگے، تتلیاں اور کینچوے بھی جانور ہیں۔ گوان کے چار پاؤں نہیں ہوتے۔ بالوں والے چوپائے بغیر بالوں والے جانوروں (پرندے، ہوام اور حشرات) کے برعکس اپنے جسم میں سے بچوں کو زندہ حالت میں جنم دیتے ہیں اور پھر ان کی مائیں اپنے جسم میں بننے والے دودھ کے ذریعے ان بچوں کی پرورش کرتی ہیں۔ ان جسموں میں موجود دودھ بنانے والے غدود کو لاطینی میں "Mammae" (پستان) کہا جاتا ہے چنانچہ اسی مناسبت سے بالوں والے ان جانوروں کو Mammals (پستانیے) کا نام دیا گیا۔

ان میں قدیم دور کے میملز کا ایک چھوٹا سا گروہ بھی ہے۔ اس گروہ کے تمام جانور آسٹریلیا اور نیوگنی تک ہی محدود ہیں۔ یہ دوسرے میملز کے برعکس انڈے دیتے ہیں اور اس گروہ کے سب سے زیادہ جانے پہچانے جانور کے پاؤں بطخ کی طرح کشادہ اور جھلی دار ہوتے ہیں اور اس کی تھوتھنی بھی کافی حد تک بطخ کی چونچ سے مشابہہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر اسے Platypus کہا جاتا ہے جو یونانی کے "Platys" (کشادہ) اور "Pous" (پاؤں) کا مجموعہ ہے۔ اسے Duckbilled Platypus (بطخ کی سی چونچ والا کشادہ پاؤں کا جانور) یا مختصراً Duckbill بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اس کے لئے Ornithorhynchus کا لفظ بھی ہے جو "Ornis" (پرندہ، مضاف الیہ: Ornithos) اور "Rhynchos" (چونچ) کے ملنے سے بنا ہے یعنی اس کی چونچ پرندے کی سی ہے۔ مراد اس سے بھی وہی ہے جو Duckbill سے ہے۔

انڈے دینے والا ایک اور میمل Spiny Anteater (مورخور خارپشت) ہے۔ اس کی بہت سی اقسام پائی جاتی ہیں۔ اس کے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں اور یہ چیونٹیاں (مور) کھاتا ہے اس لئے اس کا یہ نام ہے۔ اسے Echidna بھی کہتے ہیں گو یہ نام زیادہ مناسبت نہیں رکھتا۔ یونانی دیومالا میں Echidna ایک عجیب الخلقت جانور تھا جس کا آدھا جسم نسوانی اور آدھا سانپ کا تھا۔ شاید اس کے دریافت کنندہ کو یہ جانور اس لحاظ سے عجیب الخلقت لگا ہو کہ یہ عملی طور پر آدھا میمل ہے یعنی اس کے جسم پر بال ہیں لیکن آدھا ہوام بھی ہے کہ یہ انڈے دیتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نام بھی درست ہے۔

ان جانوروں کے جسم میں ایک ہی مشترک راستہ ہے جس سے یہ اپنے جسم کے بے کار مادے بھی خارج کرتے ہیں اور انڈے بھی اسی سوراخ سے باہر آتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں Monotremes کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ یونانی زبان کے "Monos" (واحد) اور "Trema" (راستہ) کا مجموعہ ہے۔

عقیل عبّاس جعفری

ہے حقیقت کچھ۔۔۔۔

مغالطہ : امریکہ کولمبس نے دریافت کیا تھا۔

حقیقت : امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھنے والا پہلا یورپی شخص کرسٹوفر کولمبس نہیں تھا۔

کرسٹوفر کولمبس نے امریکہ 1492ء میں ''دریافت'' کیا۔ جبکہ اس سے پانچ سو برس پہلے وائیکنگ ایرک دی ریڈ اور اس کا بیٹا لیف ایرکسن، گرین لینڈ دریافت کر چکے تھے۔ پھر پندرہویں صدی کے اوائل میں بھی برطانیہ کے کئی ماہی گیر، شمالی امریکہ کے ساحلوں کا نظارہ کر چکے تھے۔

کولمبس کو غالبًا شمالی علاقوں کی ان مہمات کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا۔ نہ ہی ان مہمات کی کوئی زیادہ اہمیت تھی۔ کولمبس کی ''دریافت'' کو زیادہ اہمیت اس لئے حاصل ہوئی کہ اس کے بعد یورپ سے تعلق رکھنے والے افراد نے امریکہ کو نوآبادی بنا کر وہاں ہجرت کرنا شروع کردی اور رفتہ رفتہ یہ علاقہ دنیا کا اہم ترین ملک بن گیا۔

مغالطہ : امریکہ کے اعلان آزادی پر 4 جولائی 1776ء کو دستخط ہوئے تھے۔

حقیقت : ہر سال 4 جولائی کو امریکہ کے اعلان آزادی کی سالگرہ منائی جاتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ 4 جولائی 1776ء اس اعلان پر دستخط ہونے کی تاریخ نہیں بلکہ

اس اعلان کی منظوری کی تاریخ ہے۔

امریکہ کے اعلان آزادی کے لئے 7 جون 1776ء کو ایک پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس نے اپنا کام 10 جون 1776ء کو شروع کیا۔ اس کمیٹی کا سربراہ ٹامس جیفرسن تھا۔ کمیٹی میں اس کے علاوہ بنجمن فرینکلن، جان ایڈمز، راجر شرمن اور رابرٹ آرلونگ اسٹون شامل تھے۔

ٹامس جیفرسن نے نہایت دیدہ ریزی سے امریکہ کا اعلان آزادی تیار کیا۔ جسے مذکورہ بالا کمیٹی نے تھوڑے بہت ردوبدل کے بعد 2 جولائی 1776ء کو منظوری کے لئے کانگریس کے سامنے پیش کر دیا۔ کانگریس نے بھی اس اعلان کا حتمی ڈرافٹ 4 جولائی 1776ء کو منظور کر لیا اور کانگریس کے صدر جان ہین کوک نے اس اعلان پر دستخط کر دیے جن کی توثیق کانگریس کے سکریٹری چارلس ٹامسن نے کی۔ 8 جولائی 1776ء کو یہ اعلان پہلی مرتبہ عوام کو سنایا گیا اور فلاڈیلفیا میں ''لبرٹی بیل'' کی آواز گونج اٹھی۔

19 جولائی 1776ء کو کانگریس نے تمام رکن ریاستوں کے نمائندگان کو اس اعلان پر دستخط کرنے کے لئے کہا۔ 6 اگست 1776ء تک بیشتر نمائندگان نے اس پر دستخط کر دئے تاہم چھ نمائندگان ایسے تھے جنہوں نے اس اعلان پر بعد میں دستخط کئے۔ ان دستخط کرنے والوں میں آخری شخص ٹامس میک کین تھا جس نے اپنے دستخط 1781ء میں کئے۔

یہاں یہ بات خصوصاً قابلِ ذکر ہے کہ رابرٹ آرلونگ سٹون نے، جو اعلانات تیار کرنے والی کمیٹی کا رکن تھا، اور جس نے اسے ووٹ بھی دیا تھا۔ اس اعلان پر دستخط نہیں کئے تھے۔

مغالطہ : آسٹریلیا، کیپٹن جیمز کک نے دریافت کیا تھا۔

حقیقت : کیپٹن جیمز کک نے آسٹریلیا کی سرزمین پر اپنے قدم 1770ء میں رکھے تھے۔ جبکہ اس سے کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے 1906ء میں ایک ولندیزی مہم جو ولیم جانز (Willian Jansz) آسٹریلیا دریافت کر چکا تھا۔

کیپٹن جیمز کک کو شہرت اس حوالے سے حاصل ہوئی کہ جب اس نے آسٹریلیا کے شمالی ساحل

ضروری اعلان

''قرآن کانفرنس'': میں پیش کئے گئے دو مقالات کو اس شمارے میں شامل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے دو سلسلہ وار مضامین ''زمین کے اسرار'' اور ''اردو میں سائنسی ادب'' کو اس ماہ شائع نہیں کیا جارہا ہے۔ یہ سلسلہ انشاءاللہ اگلے ماہ سے پھر جاری ہوگا۔

مدیر

پر قدم رکھا تو اسے ''نیو ساؤتھ ویلز'' کا باقاعدہ نام دیا اور اسے حکومت برطانیہ کے حوالے کردیا۔ یوں آسٹریلیا دریافت کرنے کا اعزاز کیپٹن جیمز کک کے حصے میں آگیا۔

مغالطہ : دنیا کے گرد پہلا مکمل چکر، فرڈی ننڈ میجیلن نے لگایا تھا۔

حقیقت : عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ دنیا کے گرد پہلا مکمل چکر ہسپانوی مہم جو، فرڈی ننڈ میجیلن نے لگایا تھا۔ مگر یہ بات فقط جزوی طور پر ہی درست ہے۔

فرڈی ننڈ میجیلن ، دنیا کے گرد پہلا چکر لگانے کے لئے 20 ستمبر 1519ء کو اسپین کے ساحلوں سے روانہ ہوا تھا۔ اس نے بحر اوقیانوس عبور کر کے جنوبی امریکہ پر قدم رکھا اور پھر اس راستے پر آگے چلنا شروع کیا جسے آج کل Strait of Magellan کہا جاتا ہے۔ اس راستے پر چلتے ہوئے میجیلن نے بحرالکاہل عبور کیا اور فلپائن پہنچ گیا۔ مگر پھر ہوا یوں کہ اسے فلپائن کے ساحلوں سے آگے جانا نصیب نہیں ہوا اور 27 اپریل 1521ء کو اسے اور اس کے بعض اور ساتھیوں کو مقامی افراد نے میکٹن کے جزیرے پر قتل کردیا۔

میجیلن کے قتل کے بعد اس کی مہم ایک اور جہاز راں Juan Sabastien del Cano نے مکمل کی۔ وہ 1522ء میں اسپین واپس پہنچا۔ یوں اس نے دنیا کا چکر مکمل کرنے والے دنیا کے پہلے مہم جو ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا۔

ہندوستان میں موبائل پر انٹرنیٹ کا استعمال بڑھا

ایک تازہ سروے کے مطابق ہندوستان میں انٹرنیٹ والے موبائل فون استعمال کرنے والے افراد کی تعداد 8 کروڑ 70 لاکھ سے بڑھ کر مارچ 2015 تک 16.5 کروڑ ہو جائے گی۔ انٹرنیٹ اینڈ موبائل ایسوسی ایشن آف انڈیا (IAMAI) کی رپورٹ کے مطابق اس اضافہ کی وجہ موبائل نیٹ ورک پر Bandwidth کا اضافہ اور موبائل والے فون کی قیمتوں میں کمی ہے۔ موبائل پر انٹرنیٹ کے استعمال میں اضافہ انٹرنیٹ ایڈورٹائزمینٹ کمپنیوں کے لئے ایک خوش کن خبر ہے کیونکہ مجموعی طور پر ایک صارف تقریباً موبائل پر کل خرچ کی جانے والی رقم میں سے 45 فیصد رقم صرف انٹرنیٹ کے لئے ہی استعمال کرتا ہے۔

سائبر اٹیک میں اضافہ

سال 2012 میں سائبر اٹیک میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ صرف موبائل فون پر وائرس اٹیک 80 فیصد کی رفتار سے بڑھے ہیں۔ کوئیک ہیل ٹکنالوجی کی ایک رپورٹ کے مطابق سائبر اٹیک کا زیادہ تر شکار ونڈوز او ایس (Window OS) بنے ہیں جبکہ گوگل کے اینڈروآئیڈ پلیٹ فارم پر بھی وائرس اٹیک کافی زیادہ ہوئے ہیں۔ البتہ مجموعی طور پر ہندوستان میں سائبر اٹیک کرنے والوں نے ذاتی کمپیوٹرس کو زیادہ نشانہ بنانے کی کوشش کی۔

وائرس بنانے والے زیادہ تر اپنا شکار سوشل ورکنگ سائٹز کی مدد سے تلاش کرتے ہیں۔

وائرس اٹیک کے لئے انٹرنیٹ سہل ترین اور سب سے سستا طریقہ ہے جسے وائرس بنانے والے مختلف اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

ہندوستان نے کی IPv6 کی شروعات

انٹرنیٹ پر صارفین کو اب (IPv4) انٹرنیٹ پروٹوکول قسم۔4 کے بجائے انٹرنیٹ پروٹوکول قسم۔ 6 پر انٹرنیٹ کی خدمات حاصل ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے کے لئے متعدد ارقام و حروف سے مرکب ایک خاص شناختی نمبر دیا جاتا ہے۔ ابھی تک استعمال ہونے والے اس نمبر کو بیک وقت کئی صارف استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی نئی قسم IPv6 پر ایک وقت میں ایک ہی صارف انٹرنیٹ استعمال کر سکے گا۔ گویا اب ہر صارف کو انٹرنیٹ پروٹوکول کے تحت ایک مستقل شناخت ملے گی۔ اس کی وجہ IPv6 میں مزید تقسیم کے امکانات کی کمی اور IPv4 میں تقسیم کے امکانات کا ہونا ہے۔

اس نئی پیش رفت کا اہم فائدہ ملک کے سلامتی دستوں کو ہوگا کیونکہ وہ اب بہ آسانی ہر انٹرنیٹ صارف کو ایک مستقل شناخت کی وجہ سے پہچان سکیں گے جو کہ اب تک کسی حد تک دشوار ہے۔

ہندوستان مریخ پر پہنچنے کے لئے تیار

کولکاتا میں ایک سائنسی پروگرام کے دوران ہندوستان نے 470 کروڑ روپئے کی لاگت سے مریخ کو سر کرنے کی مہم کا اعلان کیا۔ اکتوبر کے نصف آخر میں مریخ کا مہم کا آغاز ہو جائے گا۔

اس مہم کے بنیادی مقاصد میں سرخ سیارہ کے ماحول اور اس میں بقاء حیات کے عناصر کی تلاش شامل ہے۔

اس مہم کی شروعات کے لئے شہر چینئی سے شمال مشرق میں 80 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع سری ہری کوٹا خلائی بینا (Space Port) سے 1.4 ٹن وزن کا خلائی جہاز اڑایا جائے گا۔ جس پر مریخ کے مختلف عناصر اور مشتملات کو جانچنے اور سمجھنے کے لئے پانچ آلات لگے ہونگے۔

اپنی اس مہم کے ذریعہ ہندوستان مریخ پر اب تک پہنچنے والے پانچ ملکوں امریکہ، روس، یوروپ، چین اور جاپان کی جماعت میں شامل ہو جائے۔

دوری کے اعتبار سے مریخ چوتھے نمبر پر آتا ہے اور اس میں بڑی بڑی وادیاں، ریگستان، گڈھے اور آتش فشاں پائے جاتے ہیں۔ اس میں اور زمین میں بڑی مشابہت ہے جیسے کہ خود اس کی گردش اور موسموں کی تبدیلی وغیرہ۔

لداخ میں نصب ہوگی دنیا کی سب سے بڑی سولر دوربین

سال رواں کے اختتام تک ہندوستان، لداخ میں شمسی توانائی سے چلنے والی دنیا کی سب سے بڑی دوربین (National Large Solar Telescope) نصب کرے گا۔ اس کا مقصد سورج میں وقوع پذیر احوال کو سمجھنا ہے۔ اس خوردبین کو بنگلور میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایسٹروفیزکس (IIA) نے تیار کیا ہے۔ سابق ڈائرکٹر ساجد حسن کے مطابق اس خوردبین کا نصب کرنے کا عمل 2017 تک مکمل ہو جائے گا۔ 150 کرور کی لاگت سے بننے والی یہ خوردبین دنیا کی ان خوردبینوں میں سے ہوگی جو دن و رات دونوں وقت یکساں طور پر فلکیاتی مطالعہ کا کام انجام دے سکتی ہیں۔ اور اس کی مدد سے سورج کی سطح پر 50 کلومیٹر کے رقبہ میں پھیلے اجزاء کا مطالعہ کیا جا سکے گا۔ اس خوردبین کی تنصیب کے لئے لداخ کے پنگنغ (Pangong) جھیل کے نزدیکی گاؤں میرک کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ردِّ عمل

محترم، جناب محمد اسلم صاحب

مدیر اردو سائنس

السلام علیکم

ملک کے مایہ ناز سائنسداں اور سابق صدر مملکت ڈاکٹر اے، پی، جے عبدالکلام نے بجا طور پر بچوں کو اپنی امیدوں کا مرکز اور اپنی تحریک کا ہدف بنا رکھا ہے۔ بچے ملک وقوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ صحیح خطوط پر ان کی تربیت ہو اور سازگار حالات میسّر آجائیں تو وہ ملک وقوم کے لئے رحمت ونعمت ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہی کوشش ڈاکٹر کلام کی بھی ہے۔

حال ہی میں ڈاکٹر کلام نے کولکاتہ میں ایس، این، بوس نیشنل سینٹر فار بیسک سائنس میں منعقد ہونے والی چلڈرن سائنس کانگریس میں اپنے مخصوص انداز میں بچوں کے ذہنوں میں چنگاریاں بھرنے کی کوشش کی۔ 4 جنوری 2013 کو منعقد ہونے والی اس اہم تقریب میں انہوں نے بچوں سے جو کچھ کہا وہ ملک کے ہر طالب علم کے لئے مشعل راہ ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی میں ہی ملک وقوم کی ترقی مضمر ہے۔ ان کی تقاریر کا محور اور مرکزی خیال یہی چیز ہوتی ہے۔

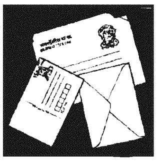
ڈاکٹر کلام کے مذکورہ خطاب کے چند اہم نکات ذیل کے مطابق ہیں۔

”۔ سائنس کو اپنی زندگی کا مشن بنالیجئے۔ آپ کا مقصدِ حیات اور آپ کا اوڑھنا بچھونا سائنس ہونا چاہئے۔

۔ اپنی سوچ میں تفوق اور برتری (Excellence) پیدا کیجئے۔

۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنی پوری توانائی اور اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائیے۔

۔ اگر آپ اپنی سوچ اور قوت عمل میں



ردِّعمل

Excellence لانا چاہتے ہیں تو سائنس اور سائنسی طرز فکر کو اہمیت دینی ہوگی۔

۔ ملک کے سائنسدانوں مثلاً ایس، این، بوس، جے، سی، بوس، میگھناد ساہا، سرسی، وی، رمن، سری نواس رامانوجن، ہومی جہانگیر بھابھا اور وکرم سارا بھائی نے کامیابی حاصل کی کیونکہ انہوں نے اپنی سوچ اور قوتِ عمل کے تفوق کو حاصل کر لیا تھا۔

۔ ان سائنسدانوں کی مہیا کردہ مضبوط بنیادوں پر موجودہ انڈین سائنس کانگریس کھڑی ہے جس نے اپنی زندگی کے 100 سال پورے کر لئے ہیں۔ (چلڈرن سائنس کانگریس اسی کا ایک شعبہ ہے)۔

۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جو لوگ ناممکن کو ممکن بنانے کا خواب دیکھنے کی ہمت کرتے ہیں وہی تمام انسانی کمزوریوں، خامیوں اور کمیوں کی زنجیروں کو توڑنے والے ہوتے ہیں۔

۔ اپنے تصور کی تنگ دامانی کو توڑ کر آگے بڑھنے والوں نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

۔ آج ساری دنیا گاڈ پارٹیکل کی دریافت کی بات کر رہی ہے۔ لیکن اس کی بنیاد (برسوں پہلے Higgs اور Bose نے رکھی تھی۔ اس بنیادی ذرہ کو Peter Higgs اور S.N. Bose کے نام سے موسوم کیا گیا ہے (Higgs Boson)

۔ ممکن ہے آئندہ چند سالوں میں ہم God Particle کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور اس راز سے پردہ ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں کہ مادہ (Matter) کیوں کر وجود میں آیا اور یہ کہ کائنات (Universe) کب، کیوں اور کیسے وجود میں آئی۔

سائنس، طب، کھیل، فن، ٹکنالوجی، غرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں جن لوگوں نے ناممکن چیزوں کا تصور قائم کیا اور اپنی لگن، محنت اور استقلال سے انہیں حاصل کر لیا، ان کے نام تاریخ کے صفحوں میں سنہرے حرفوں سے لکھے گئے ہیں۔“

ایس، ایس، علی۔ اکولہ (مہاراشٹر)

اُردو **سائنس** ماہنامہ

خریداری/تحفہ فارم

میں ''اردو سائنس ماہنامہ'' کا خریدار بننا چاہتا ہوں/اپنے عزیز کو پورے سال بطور تحفہ بھیجنا چاہتا ہوں/خریداری کی تجدید کرانا چاہتا ہوں (خریداری نمبر............) رسالے کا زرسالانہ بذریعہ منی آرڈر/چیک/ڈرافٹ روانہ کررہا ہوں۔

رسالے کو درج ذیل پتے پر بذریعہ سادہ ڈاک/رجسٹری ارسال کریں:

نام.. پتہ..

.... پن کوڈ..

فون نمبر.. ای میل..

نوٹ:

1۔ رسالہ رجسٹری ڈاک سے منگوانے کے لیے زرِ سالانہ **=/500** روپے اور سادہ ڈاک سے **=/250** روپے ہے۔

2۔ آپ کے زرسالانہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرنے اور ادارے سے رسالہ جاری ہونے میں تقریباً چار ہفتے لگتے ہیں۔ اس مدت کے گزرجانے کے بعد ہی یاددہانی کرائیں۔

3۔ چیک یا ڈرافٹ پر صرف **"URDU SCIENCE MONTHLY"** ہی لکھیں۔ دہلی سے باہر کے چیکوں پر **=/50** روپے زائد بطور بنک کمیشن بھیجیں۔

بینک ٹرانسفر

(رقم براہِ راست اپنے بینک اکاؤنٹ سے ماہنامہ سائنس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرانے کا طریقہ)

1۔ اگر آپ کا اکاؤنٹ بھی اسٹیٹ بینک آف انڈیا میں ہے تو درج ذیل معلومات اپنے بینک کو دیکر آپ خریداری رقم ہمارے اکاؤنٹ میں منتقل کراسکتے ہیں:

اکاؤنٹ کا نام : اردو سائنس منتھلی (Urdu Science Monthly)

اکاؤنٹ نمبر : SB 10177 189557

2۔ اگر آپ کا اکاؤنٹ کسی اور بینک میں ہے یا آپ بیرونِ ملک سے خریداری رقم منتقل کرنا چاہتے ہیں تو درجِ ذیل معلومات اپنے بینک کو فراہم کریں:

اکاؤنٹ کا نام : اردو سائنس منتھلی (Urdu Science Monthly)

اکاؤنٹ نمبر : SB 10177 189557

Swift Code: SBININBB382
IFSC Code. SBIN0008079
MICR No. 110002155

خط وکتابت و ترسیلِ زر کا پتہ :

(26) 153 ذاکر نگر ویسٹ، نئی دہلی ۔ 110025

Address for Correspondance & Subscription :

153(26), Zakir Nagar West, New Delhi- 10025

E-mail : maparvaiz@googlemail.com

شرائطِ ایجنسی

(یکم جنوری 1997ء سے نافذ)

1۔ کم از کم دس کاپیوں پر ایجنسی دی جائے گی۔

2۔ رسالے بذریعہ وی۔پی۔پی روانہ کئے جائیں گے۔کمیشن کی رقم کم کرنے کے بعد ہی وی۔پی۔پی کی رقم مقرر کی جائے گی۔

3۔ شرحِ کمیشن درج ذیل ہے؟

50—10 کاپی = 25 فی صد

100—51 کاپی = 30 فی صد

101 سے زائد = 35 فی صد

4۔ ڈاک خرچ ماہنامہ برداشت کرے گا۔

5۔ بچی ہوئی کاپیاں واپس نہیں لی جائیں گی۔لہٰذا اپنی فروخت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی آرڈر روانہ کریں۔

6۔ وی۔پی واپس ہونے کے بعد اگر دوبارہ ارسال کی جائے گی تو خرچہ ایجنٹ کے ذمّے ہوگا۔

شرح اشتہارات

مکمل صفحہ		5000/= روپے
نصف صفحہ		3800/= روپے
چوتھائی صفحہ		2600/= روپے
دوسرا و تیسرا کور	(بلیک اینڈ وہائٹ)	10,000/= روپے
ایضاً	(ملٹی کلر)	20,000/= روپے
پشت کور	(ملٹی کلر)	30,000/= روپے
ایضاً	(دو کلر)	24,000/= روپے

چھ اندراجات کا آرڈر دینے پر ایک اشتہار مفت حاصل کیجئے۔کمیشن پر اشتہارات کا کام کرنے والے حضرات رابطہ قائم کریں۔

- رسالے میں شائع شدہ تحریروں کو بغیر حوالہ نقل کرنا ممنوع ہے۔
- قانونی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالتوں میں کی جائے گی۔
- رسالے میں شائع شدہ مضامین میں حقائق و اعداد کی صحت کی بنیادی ذمہ داری مصنف کی ہے۔
- رسالے میں شائع ہونے والے مواد سے مدیر، مجلس ادارت یا ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اونر، پرنٹر، پبلشر شاہین نے کلاسیکل پرنٹرس 243 چاوڑی بازار، دہلی سے چھپوا کر (26) 153 ذاکر نگر ویسٹ نئی دہلی۔110025 سے شائع کیا............ بانی و مدیر اعزازی: ڈاکٹر محمد اسلم پرویز